مبلغِ اسلام کی انگریزی تصنیف How to Preach Islam کا اردو ترجمہ

تبلیغِ اسلام
کے اُصول اور فلسفہ

مصنف

مبلغ اسلام حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم

پروفیسر خورشید احمد سعیدی

ایم اے تقابل ادیان (انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی)، اسلام آباد

ناشر

الدَّارُ السُّنیہ

523/7,Waheed Kutub Market, Matia Mahal,
Jama Masjid, Delhi-6

zubairqadri@in.com /:Mobile: 09867934085

نام کتاب	:	**تبلیغ اسلام کے اُصول اور فلسفہ**
مصنف	:	علامہ عبدالعلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ
مترجم	:	پروفیسر خورشید احمد سعیدی (اسلام آباد)
کمپوزنگ	:	خورشید احمد سعیدی
اشاعتِ اوّل	:	دسمبر ۲۰۰۴ء
اشاعتِ دوم	:	نومبر ۲۰۱۳ء
تعداد اِشاعت	:	۱۱۰۰
صفحات:	:	۱۱۲
قیمت	:	Rs. 80/-

زیر اہتمام:

محمد زبیر قادری (مدیر اعلیٰ افکارِ رضا و مسلک)

Name of the Book	:	Tabligh e Islam ke Usool aur Falsafa
Author	:	Allama Abdul Aleem Siddiqui
Publisher	:	Ad-Darus Sunniyah
Price	:	Rs. 80-

عرضِ مترجم

یہ اللہ کریم کا مجھ عاجز بندے پر بہت بڑا کرم ہوا ہے کہ اس نے مجھے اپنے دَور کے ایک بلند مرتبہ مبلغ اسلام کے انگریزی لیکچرز کو اردو میں ڈھالنے کی توفیق عنایت فرمائی۔ ان کے علم کی متنوع جہات کا علم اس کتاب کو پڑھنے کے بعد ہی ہوسکتا ہے۔ قرآن، حدیث، فقہ، سیرت، فلسفہ، منطق، سائنس وغیرہ علوم وفنون سے جتنی مثالیں انہوں نے دے کر تبلیغ اسلام کی اہمیت کو علوم جدیدہ کے متاثرین کے لیے اجاگر کیا ہے میرے محدود مطالعے میں اور کسی معاصر مصنف و مبلغ نے ایسا نہیں کیا۔ میں اس عرض میں ان مثالوں میں سے کوئی اس لیے ذکر نہیں کرنا چاہتا کہ وہ اپنے اپنے مقام پر جس سلیقے سے بیان کی گئی ہیں ویسے یہاں نہیں ہو سکیں گی۔

ترجمے کے دوران جن چیزوں کا خیال رکھنا میں نے ضروری سمجھا ان میں سے ایک یہ ہے کہ قرآنی آیات کا متن درج کیا گیا تا کہ دوران مطالعہ نہ صرف دلیل سے اطمینان حاصل ہو بلکہ قرآنی الفاظ کو دیکھنے اور پڑھنے سے جو ثواب نصیب ہوتا ہے اس سے بھی قاری محروم نہ رہ جائے۔

دوسری بات قرآنی آیات کے ترجمہ اور فہم کے بارے میں ہے۔ اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمۂ کنزالایمان نقل کیا گیا ہے سوائے ایک مقام کے۔ اس جگہ مجھے غزالیِ زماں رازیِ دَوراں حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعہ کی تعبیر اقرب الی الفہم معلوم ہوئی۔ چونکہ کتاب کا اصل مقصد کسی نکتے پر قرآنی ہدایت کو واضح کرنا تھا اس لیے وہی ترجمہ اختیار کیا گیا جو اس مقصد کے حصول کے لیے زیادہ معاون معلوم ہوا۔

تیسرے نمبر پر احادیث رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متن بھی درج کرنے کی سعی کی تا کہ اس کی برکات سے بھی قاری اپنا حصہ پائے اور بوقت ضرورت انہیں کسی جگہ حوالہ کے لیے بیان کر سکے۔

چوتھے نمبر پر یہ چیز سامنے رہی کہ ان لیکچرز کے مرتب نے جہاں قرآنی آیات اور

احادیث نبویہ کے حوالے نہیں دیئے تھے، ان کے حوالے ضرور پیش کیے جائیں۔ کسی جگہ غلط حوالوں کو درست کرنا پڑا۔ البتہ بعض مقامات پر یہ مشکل پیش آئی کہ کچھ عبارات کو قرآن کہا گیا تھا حالانکہ وہ احادیث ہیں۔ اس لیے اسے درست کیا گیا۔ بعض مقامات پر کچھ عبارت کو کاموں ''،'' میں ڈال کر قرآن تو کہا گیا تھا مگر وہ کسی ایک قرآنی آیت کا ترجمہ نہیں ہے۔ اس سلسلے میں ان آیات کا حوالہ ذکر کیا گیا جن سے وہ عبارت ماخوذ معلوم ہوئی۔

اصل کتاب میں بعض مقامات پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ میرا خیال ہے کہ مبلغِ اسلام علیہ الرحمۃ ان لیکچرز پر تدوین وترتیب کے بعد نظر ثانی نہیں کر سکے تھے ورنہ بعض محل نظر امور کی تصحیح کر دیتے۔ ان میں سے آخری لیکچر کا اختتامیہ جس انداز سے ہے وہ بھی اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ انہیں نظر ثانی کا موقع نہ ملا۔ میں نے کوشش کی کہ ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کر دوں لیکن تمام مقامات پر ایسا نہیں کیا۔

ترجمہ میں مذکور قرآنی آیات کی تصحیح کے لیے دارالعلوم حنفیہ ضیاء القرآن، اسلام آباد شعبہ تحفیظ القرآن کے مدرس محترم قاری محمد طارق ضیائی صاحب نے وقت دیا۔ ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اسی طرح جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کے فاضل محمد طیب خاں صاحب نے اس ترجمے میں کتابت کی غلطیوں کو دور کرنے میں مدد کی۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کا اجر جمیل عطا فرمائے۔ بعض مقامات پر مناسب تعبیر کے لیے جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی کے ممتاز مدرس حضرت علامہ محمد اسحاق ظفر صاحب نے مشورے عطا کئے۔ میں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور ان کے لیے دعا گو ہوں کہ اللہ کریم انہیں اپنے دین متین کی خدمت کے لیے دراز عمر عطا کرے۔

میں یہاں اپنے محترم بھائی محمد زبیر قادری (مدیر اعلیٰ افکارِ رضا، ممبئی) کو کیسے اپنی دعاؤں میں فراموش کر سکتا ہوں جنہوں نے سعادت کے اس کام کی ترغیب دلائی اور مجھ سے مسلسل رابطہ رکھا۔ اللہ تعالیٰ انہیں، ان کے اہل خانہ اور احباب کو دین کی خدمت کے لیے صحت وسلامتی کی زندگی اور وافر وسائل عطا فرمائے۔ آمین

خورشید احمد سعیدی

بدھ، ۸ / دسمبر ۲۰۰۴ء اسلام آباد

تعارف

حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ

بیسویں صدی میں اسلام کے ایک سرگرم سفیر:

مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ بیسویں صدی کے ایک مشہور مبلغِ اسلام تھے۔ انہوں نے چالیس سال تک دنیا کے کئی ممالک کے باشندوں تک اسلام کا پیغام پہنچایا۔ ایشیا، افریقہ، یورپ اور امریکہ میں ہزاروں غیر مسلموں نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ ان کی متحرک اور تاباں شخصیت سے لاکھوں مسلمانوں نے دینی اور دنیاوی برکتیں حاصل کیں۔ لاتعداد اسلامی تبلیغی ادارے، مساجد، اسکول، ہسپتال، لائبریریاں، بیت المعذورین، یتیم خانے اور مجلّات صرف آپ کی تبلیغی کوششوں سے وجود میں آئے۔

پیدائش:

مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ ۱۵/رمضان المبارک ۱۳۱۰ ہجری بمطابق ۳/اپریل ۱۸۸۲ء کو میرٹھ انڈیا میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی حضرت مولانا شاہ محمد عبدالحکیم صدیقی ایک معروف عالمِ دین، شاعر اور روحانی بزرگ تھے۔

تعلیم و تربیت:

مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی ذہانت اور بے مثال قوتِ حافظہ سے نوازا تھا۔ آپ کی تعلیم اس وقت شروع ہوئی جب آپ کی عمر صرف تین سال اور کچھ ماہ تھی۔ آپ نے اپنا سارا وقت اسلامی علوم کی تحصیل کے لیے وقف کر دیا تھا۔ یہاں تک آپ نے درسِ نظامی کا پورا کورس مدرسہ عربیہ قومیہ، میرٹھ میں صرف سولہ سال کی عمر میں مکمل کرلیا۔

اس طرح حاصل کی گئی دینی اور ادبی تعلیم اس وقت کے اکثر مسلمان مذہبی قائدین کے نزدیک سب کچھ حاصل کر لینے کے برابر تھا لیکن بنی نوع انسان کے جدید مسائل کو سمجھنے اور دنیا کے

ہر آدمی تک اسلام کے پیغام کو پہنچانے کے لیے ان کی مستور مگر پُرجوش خواہش نے انہیں جدید انگریزی تعلیم کے حصول پر لگا دیا۔ درسِ نظامی کی تکمیل کے بعد انہوں نے اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ اور ڈویژنل کالج میرٹھ سے معاصر علوم بھی حاصل کیے۔ انہوں نے ۱۹۱۷ء میں یہ ڈگری امتیاز کے ساتھ حاصل کی۔ انہوں نے قانون کی تعلیم بھی حاصل کی لیکن اس کے پیچھے قابلیت میں اضافے کی غرض تھی، اسے پیشے کے لیے حاصل نہیں کیا تھا۔

جہاں تک ان کے دینی مطالعے کا تعلق ہے انہوں نے اسے جدید تعلیم کے بعد ترک نہیں کر دیا تھا بلکہ انہوں نے خود کو مسلسل وقف کیے رکھا۔ خاص طور پر چھٹیوں کے دوران آپ اپنی صدی کے سب سے بڑے مسلمان اسکالر اور مُصلح حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی کے زیر نگرانی اپنے اسلامی مطالعے کو وسیع کرتے رہتے تھے۔ درحقیقت آپ نے اسے عملی زندگی میں بحیثیت ایک دینی قائد کے قدم رکھنے کے بعد بھی جاری رکھا۔ اس طرح آپ نے حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محل، مراکو کے حضرت شیخ احمد الشمّس اور لیبیا کے حضرت شیخ السِنوسی جیسے عظیم مسلمان علما کے ساتھ بحث ومباحثے اور ان کی لائبریوں سے استفادہ کر کے تفسیر، حدیث، تصوّف اور مکہ و مدینہ کے سُنّی مذاہبِ اربعہ کے علوم کا انبار لگا لیا۔

روحانی تربیت:

جہاں تک آپ کی روحانی تربیت کا تعلق ہے آپ نے اسے اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا شاہ احمد مختار صدیقی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل اور مکمل کیا۔ آپ کو تصوف کے کئی سلاسل میں رُشد و ہدایت کی اجازت بھی حاصل تھی۔

تربیت کی رسمی تکمیل نے جہاں ایک طرف آپ کو مرشد کے درجے تک پہنچا دیا دوسری طرف یہ روحانی تنویر کی مزید کوششوں کا نقطۂ آغاز بن گئی۔ اس نے مزید مجاہدے کو لازم قرار دے دیا اور آپ اس غرض کے لیے اکثر مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ تشریف لے جاتے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ علم وحکمت کے نیّر اعظم اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان قادری بریلوی اور میدانِ روحانیت کے اپنے وقت کے آفتاب حضرت شیخ احمد الشمّس جن کا تعلق مراکو سے تھا، کے پاس حاضر ہوتے تھے۔

تبلیغی کارنامے:

مولانا شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بچپن ہی سے مبلغِ اسلام بننے کا عزم کر لیا تھا۔ انہوں نے اسی وقت سے تبلیغی کام شروع کر دیا تھا جس دن انہوں نے اپنی دینی تعلیم مکمل کر لی تھی۔ جن ممالک کے انہوں نے دورے کیے ان میں برما، سیلون، ملائیشیا، انڈونیشیا، تھائی لینڈ، ویت نام، چین، جاپان، فلپائن، ماریشیس، ری یونین، مڈگاسکر، جنوبی افریقہ، پرتگال، مشرقی افریقہ، کینیا، تنزانیہ، یوگنڈا، بیلجیئم، کانگو، حجاز، مصر، شام، فلسطین، اردن، عراق، فرانس، انگلینڈ، ویسٹ انڈیز، گیانا، سورینام، ریاستہائے متحدہ امریکہ اور کینیڈا شامل ہیں۔

آپ جس جگہ بھی تشریف لے جاتے وہاں فضول مباحثے، دینی پسماندگی، اعلیٰ اسلامی اقدار سے عدم واقفیت، اجتماعی ذمّے داریوں سے لاپروائی، وسعت نظری کی کمی، منصوبہ بندی کا فقدان اور مسلمانوں میں روحانی جمود کی بہتات، غیر مسلموں میں اسلام سے نفرت اور غلط فہمی کے علاوہ فرقہ بازی جیسے حل طلب مسائل موجود ہوتے۔

ہر جگہ آپ کو اپنا راستہ سنگلاخ چٹانوں میں بنانا پڑتا۔ ہر جگہ آپ کو اپنے عظیم پیغام کی پُرشکوہ عمارت تقریباً نئی بنیادوں پر کھڑی کرنا پڑتی۔ لیکن ہر جگہ آپ نے رُکاوٹوں اور دُشواریوں کو اپنی روحانی قوت کے غیر محدود ذخیرے، اخلاقی سنجیدگی کے نہ ختم ہونے والے خزانے، گہرے اخلاص، تقویٰ، وسیع علم، دانش مندی اور اپنی بے مثال مسکراہٹ کے ساتھ شکست دی۔ آپ کی بلند مگر میٹھی آواز میں سوئی ہوئی انسانیت کو بیدار کرنے کے لیے جادو کا سا اثر تھا۔ جبکہ آپ کی سنجیدہ ترغیب اور پیاری نصیحتوں نے کئی اخلاقی اور فکری خرابیوں کی اصلاح کی۔

عدل واحسان کے استحکام، گناہ کو ختم کر کے نیکی کو عام کرنے، بُرائی کو زیر کرنے، ہم آہنگی کے فروغ اور باہمی کشمکش کے خاتمہ کے لیے آپ کی جوش دلانے والی آواز پہاڑوں، میدانوں، سرسبز وادیوں، ریتیلے صحراؤں کے ساتھ ساتھ شرق وغرب کے کالوں اور گوروں کے درمیان بھی گونجتی رہی۔ آپ کا پیغامِ الٰہی، اخلاقیات کے احیا اور روحانی اقدار کی بحالی کا پیغام لاکھوں کانوں اور دلوں تک پہنچا۔ دُنیا بھر کے آپ کے سفر لاکھوں انسانی ارواح کے لیے امن کا سندیسا لائے۔ ہر جگہ آپ کے دوروں سے لوگوں کے دینی جوش کو نئی تحریک ملی۔ بیرون ملک آپ کے اسفار اور

سرگرمیوں کا ایک مختصر خاکہ یوں پیش کیا جاسکتا ہے:

سیلون، جنوبی افریقہ، پرتگالی مشرقی افریقہ، برطانوی مشرقی افریقہ اور زنجی بار کا دورہ (۱۹۳۴۔۳۵ء):

آپ کے ایک مرید جے مجید نے کولمبو میں ''Star of Islam'' کے نام سے ایک مجلہ جاری کیا جو اَب تک مسلمانوں کی طرف سے شائع کیے جانے والے مجلّات میں سے بہترین مجلہ ہے۔ آپ کا وہ دورہ جس میں آپ نے خصوصی لیکچرز دیئے، نے جنوبی افریقہ اور یورپی ممالک میں شعورِ اسلام بیدار کرنے میں بے مثال اثرات مرتب کیے۔ ان سے متاثر ہو کر کئی مقامی قائدین نے اسلام قبول کیا۔ آپ نے ڈربن میں انٹرنیشنل اسلامک سروس سنٹر قائم کیا جہاں سے معروف و مشہور انگریزی مجلّات "The Muslim Digest"، "The "Ramadan Annual"، "The Five Pillars" کے علاوہ اسلامی کتب کی ایک سیریز شائع ہوتی ہے جو مکّی پبلی کیشنز کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ نے پرتگالی شرقی افریقہ میں اونچے طبقہ کے لوگوں تک اسلام کا پیغام پہنچایا۔ آپ وہ پہلے مسلمان لیڈر تھے جو اس ملک میں داخل ہوئے۔

آپ کی وجہ سے دنیا کا سب سے شاندار اسلامی ماہنامہ "The Genuine Islam" سنگاپور سے شائع ہونا شروع ہوا۔ موجودہ تاریخ میں پہلی بار اسلام کا پیغام ہندوستان اور چین کے اہل الرائے طبقہ کے ساتھ ساتھ عوام تک پہنچا جن کی کثیر تعداد نے اسلام قبول کیا۔ آپ نے چین میں اسلام کے احیا کے لیے کام کیا۔ آپ ہی نے ہانگ کانگ میں مسلم یتیم خانے کی عمارت کا سنگِ بنیاد رکھا۔ آپ نے ٹوکیو، کاروئزاوا (Karuizawa)، اوساکا (Osaka) اور کوب (Kobe) میں اسلام کے متعلق ممتاز سامعین کے سامنے لیکچرز دیئے اور نمایاں شخصیات سے ملاقاتیں کیں۔ نتیجتاً پڑھے لکھے جاپانیوں کی اچھی خاصی تعداد نے اسلام قبول کیا۔ آپ نے ناگویا مسجد (Nagoya Mosque) کا سنگِ بنیاد رکھا؛ قاہرہ الازہر میں آپ نے مسلمان طلبہ بھجوائے تاکہ ان کی بطور مبلغینِ اسلام تربیت ہو۔

سعودی عرب کا دورہ:

آپ نے مکّہ مکرمہ میں ابن سعود سے ان مشکلات کا تذکرہ کیا جو اسلام قبول کرنے والے

یورپی حجاج کو حج کے دوران پیش آتی تھیں۔

آپ نے سیلون (Ceylon) میں حزب اللہ جماعت قائم کی۔ پورٹ لوئیس (Port Louis) کے مقام پر آپ نے مشہور تاریخی عید میلاد کانفرنس کی صدارت فرمائی، وہیں آپ نے ایک بیت المعذورین قائم کیا اور مسلمانوں کے لیے قانون وقف کے نفاذ کے لیے ایک کامیاب تحریک چلائی۔

سعودی عرب ۱۹۴۵ء:

دنیا بھر سے آنے والے مسلم رہنماؤں سے آپ نے حجاز کے احوال کو بہتر بنانے کے لیے تبادلۂ خیال کیا۔

حج ٹیکس کے خاتمہ کے لیے آل انڈیا مسلم لیگ کی طرف سے شاہ ابن سعود سے ملاقات کے لیے بھیجے گئے ایک وفد کی آپ نے قیادت فرمائی۔ آپ نے مسلم قائدین سے پریس اور کانفرنسوں کے ذریعے تحریکِ پاکستان کا تعارف کروایا۔ اس سلسلے میں آپ نے مصر اور دوسرے ممالک کی نمایاں شخصیات سے رابطے کیے۔ اسلام کو درپیش متنوع الاقسام مسائل کے فوری حل کے لیے عرب کے علما بالخصوص ازہر کے علما کو ابھارا۔ آپ نے مصر میں ایک تبلیغی سوسائٹی قائم کی جس کا نام **تعریف بالاسلام** رکھا۔ آپ کو عمان کے شاہ عبداللہ کی طرف سے شاہی مہمان کی حیثیت سے دعوت ملی تو آپ نے اس سے اہم اسلامی مسائل پر تبادلۂ خیال کیا۔ آپ نے عراق کے کئی شہروں کا دورہ شاہی مہمان کی حیثیت سے کیا، ذمّے دار قائدین سے ملاقاتیں کیں اور انہیں مسلمانوں کے مسائل حل کرنے کی طرف توجہ دلائی۔

آپ ہندوستانی وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کے پاس انڈین حکومت کا ہندوستانی مسلمانوں کے ساتھ بُرے سلوک، اسلامی تہذیب وثقافت کے خاتمے اور ہندوؤں اور سکھوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے مقاماتِ مقدسہ کی بے حرمتی کے خلاف شکایت لے کر احتجاج کے طور پر گئے۔ آپ نے بمبئی اور مدراس میں کئی لیکچر دیئے اور متحدہ ہندوستان میں رہنے والے مسلمانوں کی مذہبی صورتحال کو بہتر بنایا۔ آپ نے ملایا اور سنگاپور کے سلاطین اور مسلمان قائدین سے ملاقاتیں کیں اور سنگاپور میں آل ملایا مسلم مشنری سوسائٹی اور صدیقی لائبریری کی مستقبل میں نئی عمارت

کے لیے منصوبہ تیار کیا۔ آپ نے سنگاپور میں یادگار عید میلاد النبی کانفرنس کی صدارت کی۔ آپ نے سنگاپور میں انٹر ریلی جئس (بین المذاہب) آرگنائزیشن (Inter-Religious Organisation) قائم کی۔ آل ملایا مسلم مشنری سوسائٹی نے ''The Muslim World'' نامی مجلہ شائع کرنا شروع کیا۔ جس نے ملایا کے لیے اسلامک عریبک یونیورسٹی قائم کرنے کا آغاز کیا۔ آپ نے انڈونیشیا میں اعلیٰ اداروں سے رابطے کی ابتدا کی اور مسلمانوں اور غیر مسلموں سب کو امن الٰہی کا پیغامِ اسلام پہنچایا۔ آپ نے بتاویہ میں بھی انٹر ریلیجئس آرگنائزیشن قائم کی۔

ایک بے مثال دورہ ۱۹۴۸ـ۵۱ء:

آپ نے دنیا بھر کا اپنا یادگار دَورہ ۱۹۴۸ء میں شروع کیا جو ۱۹۵۱ء تک رہا۔ اس دورہ سے آپ کو تاریخ اسلام میں ایک ممتاز اور بے مثال مقام حاصل ہوا کیونکہ آپ پہلے مسلم مبلغ ہیں جنہوں نے دنیا بھر کا دورہ کیا۔ آپ اسلام کا پیغام لے کر فرانس، انگلینڈ، امریکہ، ٹرینیڈاڈ اور دوسرے یورپی ممالک کے غیر مسلموں تک پہنچے۔ اس دورے کے دوران کئی غیر مسلم دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ کئی ممتاز شخصیتیں مثلاً ریاست سرواک (Sarawak) کی شاہزادی گلیڈیز پامر خیر النساء، محمد یوسف مشل اور ٹرینیڈاڈ کی وزیر موریل فاطمہ ڈوناوا نے آپ ہی کی تبلیغ پر اسلام قبول کیا۔

تصنیفات اور مطبوعہ لیکچرز:

مولانا شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی صرف ایک نمایاں اسکالر، ایک عظم خطیب اور ممتاز مبلغ ہی نہیں تھے بلکہ آپ ایسے مصنف بھی تھے جن کی تصنیفات کئی بار طبع ہوئیں۔ آپ نے عربی، اُردو اور انگریزی زبانوں میں کئی کتابیں لکھیں۔ آپ کی مطبوعہ تحریروں میں سے بعض کے نام درجِ ذیل ہیں:

عربی زبان میں:

۱۔ حقیقۃ المرزائیین

۲۔ ضرائب الحج

اردو زبان میں:

۱۔ ذکرِ حبیب

۲۔کتاب التصوف

۳۔بہارِ شباب

۴۔صوت الحق

۵۔مرزائی حقیقت کا اظہار

۶۔احکامِ رمضان

انگریزی زبان میں:

1. Elementary Teachings of Islam
2. Principles of Islam
3. Quest of True Happiness
4. How to Face Communism
5. Islam's Answer to the Challenge of Communism
6. Women and Their Status in Islam
7. A Shavian and a Theologian
8. The Forgotten Path of Knowledge
9. Codification of Islamic Law

رحلت:

تبلیغ اسلام کا عظیم کام سخت محنت اور جہدِ مسلسل کے بغیر کسی صورت میں پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا تھا۔آپ علیہ الرحمۃ نے اسلام کے جھنڈے کو بلند کرنے اور انسانیت کی بھلائی کے لیے نہایت یک سوئی اور بے لوث اخلاص کے ساتھ کام کیا۔یہاں تک آپ کی روح مقدس ۲۲ ذوالحج ۱۳۷۲ھ بمطابق ۲۲/اگست ۱۹۵۴ء کو اس دارِ فانی سے اپنے رب کے جوارِ رحمت میں منتقل ہو گئی۔اور آپ کو مدینہ منورہ میں دفن کیا گیا۔اللہ تعالیٰ آپ کی روحِ مبارک پر اپنی رحمتیں نچھاور فرمائے۔آمین ثم آمین

☪☪☪☪☪☪☪☪

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سبق نمبر ایک: تبلیغ اسلام کے رہنما اُصول

تبلیغ: امتِ محمدیہ کا اولین فریضہ

اس کورس کا مقصد آپ کو یہ بتانا ہے کہ **اسلام کی تبلیغ** کیسے کی جائے۔ بحیثیت مسلمان ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ایک اشاعتِ اسلام بھی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔۔۔ (سورۃ آلِ عمران:۱۱۰)

ترجمہ: ”تم بہتر ہو اُن سب اُمتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں بھلائی کا حکم دیتے ہو اور بُرائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو“۔

بحیثیت ایک انسان ہمیں یہ جاننا چاہیے کہ دوسروں کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے۔ اگر ہم کسی کو کنوئیں میں گرتا دیکھیں تو کیا اُسے بچانا ہمارا فرض نہیں ہے؟ اسی طرح اگر ہم کسی کو جہنم میں گرتا دیکھیں تو اسے بچانا ہمارا فرض ہونا چاہیے۔

اس لیے ہر ایک مسلمان کا فرض ہے چاہے وہ کوئی عالِم دین ہو یا کوئی عام آدمی جس کا یہ ایمان ہے کہ اللہ ایک ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کے نبی ہیں اسے چاہیے کہ وہ یہ سچائی دوسروں کو بھی سکھائے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: **اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ۔ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔** (سورۃ العصر: ۲۔۳)

ترجمہ: ”بیشک آدمی ضرور نقصان میں ہے مگر جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے اور ایک دوسرے کو حق کی تاکید کی اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی“۔

بدقسمتی سے آج مسلمانوں نے اس فریضے کی ادائیگی نظر انداز کر دی ہے۔ بہت سے مسلمان کہتے ہیں کہ یہ صرف علمائے دِین کا کام ہے۔ ایک عالم دِین کا کام اس سے کہیں

زیادہ ہے۔اس کا فرض لوگوں کو اسلام کی تعلیم تفصیل سے پڑھانا ہے لیکن لوگوں کو سیدھے راستے کی دعوت دینا ہر ایک مسلمان کا فریضہ ہے۔ اگر ہم ہر آدمی کو لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ سکھانے میں کامیاب ہو گئے تو یہ اسے جہنم سے بچانے کے لیے کافی ہے۔

تبلیغ کے انداز اور مناہج

جب ہم یہ جان لیتے ہیں کہ دینِ اسلام کی تبلیغ ہمارا فریضہ ہے تو اگلا سوال یہ ہے کہ ہم اسلام کی تبلیغ کیسے کریں؟ قرآن مجید میں دی گئی پہلی ہدایت یہ ہے:

اُدْعُ إِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ۔۔۔ (سورۃ النحل: ۱۲۵)

ترجمہ: ''اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکّی تدبیر اور اچھی نصیحت سے اور ان سے اس طریقہ پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو''۔

اس سے معلوم ہوا حکمت بہت بڑی شے ہے۔حکمت کیا ہے؟ اس کی وضاحت میں بعد میں کروں گا۔ دوسری لازمی چیز یہ ہے کہ نصیحت خوب صورت اور پُرکشش پیرایۂ بیان سے کی جائے۔ پھر ہمیں بتایا گیا ہے کہ اگر ہم کسی سے مباحثہ کریں تو ہمیں شائستہ اندازِ گفتگو اختیار کرنا چاہیے۔کوئی غصہ یا ناراضگی نہیں دکھانی چاہیے بلکہ ان کے ساتھ خفگی یا دشمنی کا ذرّہ بھر احساس دلائے بغیر ہمیں اچھے الفاظ سے دلیل پیش کرنی چاہیے۔

مبلغ کے لیے ضروری اُمور

ہمیں تبلیغ کے کام کے لیے خود کو لازماً تیار کرنا چاہیے۔دعوت الی اللہ کے داعی کے لیے پہلی ضروری بات یہ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی ذات میں غیر متزلزل یقین اور بھروسہ ہو اور دوسری بات یہ ہے کہ اسے خود بھی اعمالِ صالحہ کرنے چاہئیں کیونکہ صرف زبانی الفاظ سے تبلیغ کی کوئی اہمیت نہیں۔لہٰذا جس کام کی ہم نے تبلیغ کرنی ہے اس پر خود عمل بھی کریں۔قرآن مجید ہم پر زور دیتا ہے کہ ہم ایمان لائیں اور اعمالِ صالحہ بھی کریں۔اگر ہم خود نیک اعمال کرتے ہیں تو پھر ہم اُن کی دوسروں کو تبلیغ بھی کر سکتے ہیں۔اگر ہم اپنے آپ کو دوسروں کے سامنے بطور نمونہ نہیں رکھ سکتے تو ہم ان سے یہ توقع نہیں کر سکتے کہ وہ ان باتوں کو مانیں گے جو

ہم اُن سے کہہ رہے ہیں۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ O (سورۃ الصّف: ۲)

ترجمہ: ''اے ایمان والو کیوں کہتے ہو وہ جو نہیں کرتے''۔

حکمت اور اس کا مفہوم

جیسا کہ ہم نے اُوپر دیکھا تبلیغ کے کام میں پہلی شرط حکمت ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کو آپ مخاطب کرنے لگے ہیں اس کا جائزہ لینے کے لیے آپ اپنی ذہانت کو استعمال کریں۔آپ اس کی نفسیات کا مطالعہ کریں اور اپنے آپ سے سوال کریں کہ اس کے پاس کس قسم کا علم ہے۔وہ ایک عام سا آدمی، فلسفی یا ایک سائنس داں ہے؟ وہ کس کام میں مشغول ہے؟ آپ نے اسے جو کچھ کہنا ہو اس کی بنیاد اس کی ذہنیت کے مطابق کسی چیز پر رکھیں۔اگر وہ ایک تعلیم یافتہ اور باخبر سائنس دان ہے تو آپ اس کے ساتھ گفتگو کو منطقی اور سائنسی انداز میں کریں لیکن اگر وہ ایک عام سا آدمی ہے تو آپ آسان ترین الفاظ و اصطلاحات کا استعمال کریں اور اسے مثالیں دے کر بات سمجھائیں۔قرآن مجید میں ہم دیکھتے ہیں کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ سادہ مثالیں استعمال فرماتا ہے: اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ۔۔۔ (لقمان: ۳۱)

ترجمہ: ''کیا تو نے نہ دیکھا کہ کشتی دریا میں چلتی ہے''۔

اس طرح یہ حکمت ہے کہ آپ اپنے سامعین کی ذہنی استعداد کا جائزہ لیکر اسے سامنے رکھتے ہیں اور خود کو ان کی ضروریات کے لیے تیار کرتے ہیں۔

تصوراتِ دین ومذہب

جب آپ اپنے مخاطَب لوگوں کی ذہنیت کا مطالعہ کرلیں تو آپ یہ بات اپنے ذہن میں رکھیں کہ بہت سے لوگوں کے نزدیک آج کل دین کی کوئی اہمیت نہیں ہے اس لیے ان کے پاس اس کا کوئی مناسب تصور بھی نہیں ہوتا۔مثال کے طور ایسے بھی لوگ ہیں جو اپنے آپ کو صرف اس لیے عیسائی کہتے ہیں کہ ان کے آباواجداد عیسائی تھے۔اسی طرح ایسے بھی ہیں جو اپنا مذہب بدھ مت بتاتے ہیں کیونکہ ان کے باپ دادا بدھ مت کے پیروکار تھے۔

یہ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو یہ نہیں جانتے کہ دِین صحیح معنوں میں ہوتا کیا ہے۔

لوگوں کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جو مذہب کو ایک تقریباتی چیز سمجھتا ہے یعنی ان کے نزدیک یہ رسوم ورواج کی مجالس کا ایک مجموعہ ہوتا ہے۔ جب مَیں جاپان میں تھا مَیں نے کچھ جاپانی عیسائیوں سے پوچھا کہ تم نے عیسائی بن جانے کے بعد بھی اپنے آباواجداد کے بتوں کی پوجا کیوں جاری رکھی ہوئی ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ہم نے عیسائی مذہب کو جاپانی رنگ میں رنگ لیا ہے۔ مذہب کو جاپانی رنگ میں رنگ لینے کا طرزِ عمل کئی ممالک میں عام پایا جاتا ہے۔

مذہب کے بارے میں تیسرا غلط تصور یہ ہے کہ اسے صرف خدا سے دعائیں مانگنا اور سادہ سی تقریبات ومحافل کا منعقد کر لینا سمجھا جاتا ہے اور یہ کہ زندگی کے دوسرے حقائق کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اسلام کا تصورِ دِین

اسلام کا تصورِ دِین ان سب سے مختلف ہے اگرچہ کچھ مغربی تعلیم یافتہ مسلمان ایسے بھی ہیں جو اسلام کو مجموعۂ رسوم ورواج اور خالصتاً ایک ذاتی معاملہ سمجھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو زندگی کے تمام شعبوں کے بارے میں ہدایات مہیا کرتا ہے۔ اگر دِین ایک ضابطۂ حیات ہے تو پھر ہمیں یہ سوال پوچھنا چاہیے کہ کیا ہمیں کامیاب زندگی کے لیے کسی ضابطۂ حیات کی ضرورت ہے۔ یہ سوال ہمیں ہمارے موضوع ''دِین و شریعت کی ضرورت'' پر سوچ وبچار کی طرف لے آتا ہے۔ اس موضوع پر بحث کرنے کے لیے ہمیں پوری نسلِ انسانی کی نفسیات کا مطالعہ کرنا پڑے گا۔ ایک انسان کی صفات کیا ہیں؟ انسان ہوتا کیا ہے؟ دُنیا میں اس کا مقام ومرتبہ کیا ہے؟ اس کی فطری ضروریات اور مطالبات کیا ہیں؟

قوانینِ فطرت اور انسان

اِس دُنیا میں بنی نوع انسان کا مقام جاننے کے لیے ہمیں اِس کائنات کا اچھی طرح مشاہدہ کرنا پڑے گا۔ آسمان سے لے کر زمین تک ہم مختلف اجزا اور اشیا دیکھتے ہیں۔ آسمان

پر ہم سورج، چاند اور ستارے دیکھتے ہیں۔ زمین پر ہم عالمِ جمادات، عالمِ نباتات اور عالمِ حیوانات کو دیکھتے ہیں۔ ہمارے مشاہدے میں اس دُنیا کی ہر ایک چیز سوائے بنی نوع انسان کے بعض قوانینِ فطرت کے تحت اس طرح کام کرتی نظر آتی ہے کہ وہ ان کی خلاف ورزی نہیں کر سکتی۔ مثلاً سورج، چاند اور ستارے بعض قوانینِ فطرت کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں اور ان کے باہم مربوط اجسام کا وجود یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ اس کا حصہ ہیں۔

جہاں تک حیوانات کا تعلق ہے ہم یہ دیکھ سکتے ہیں کہ کچھ جانوروں کو اگر لوگ کسی کام کی تربیت دے دیں تو وہ اس کی بنا پر کچھ عادات اپنا تو لیتے ہیں لیکن اُن کا اِن عادات کو اختیار کر لینا فطری نہیں ہے۔ کوئی نہ کوئی انہیں سکھاتا ہے اور انہیں اس کام کے لیے مجبور کرتا ہے وگرنہ حیوانات کو بھی قوانینِ فطرت کی پیروی کرنی پڑتی ہے۔ صرف انسان ان قوانین سے حالتِ استثنا میں ہیں۔

کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنے ذہن کے استعمال سے محروم ہیں یعنی وہ پاگل اور مجنون ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اختیار و انتخاب کی اپنی صلاحیت کھو چکے ہیں لیکن وہ لوگ جو عقل مندی کا احساس رکھتے ہیں انہیں استطاعتِ اختیار حاصل ہے۔ بعض اوقات وہ کچھ اشیا کا انتخاب کرتے ہیں تو بعض اوقات کچھ مختلف اشیا کا۔ انسان بھی یقیناً اپنے انتخاب میں مکمل آزاد نہیں ہے۔ کچھ ایسے قوانین ہیں جن کی پیروی اسے لازماً کرنی پڑتی ہے لیکن اپنے اکثر کاموں میں اصحابِ عقل وخرد اپنی پسند کی چیز کو اختیار کرنے کی قوت رکھتے ہیں۔

رہنما کی ضرورت ایک فطری تقاضا

اختیارات کے استعمال میں یہ مشکل پیش آتی ہے کہ ایک شخص اپنے حقِ اختیار کا استعمال کیسے کرے؟ اسے کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں؟ دانش مندانہ انتخاب کے لیے اس شخص کو بعض افعال کے فوائد ونقصانات کا علم ضرور ہونا چاہیے۔ لیکن اسے یہ علم کہاں سے حاصل ہوگا؟

ہم دیکھتے ہیں کہ بنی نوع انسان شروع ہی سے سیکھنے اور علم حاصل کرنے کی طرف میلان رکھتے ہیں۔ مثلاً ایک بچہ کسی چیز کو جاننے کے لیے اسے پکڑنا اور گرفت میں لینا چاہتا ہے۔ وہ تجربے کو پسند کرتا ہے اور جوں جوں بڑا ہوتا ہے دوسروں سے سوال کرتا ہے۔ قدرتی

طور پر وہ اشیا کا استعمال اور پھر ان کے فوائد جاننے کا خواہشمند ہوتا ہے تا کہ خود کو نقصان اور پریشانیوں سے بچا سکے۔ کچھ بچے آگ کو پکڑنا پسند کرتے ہیں لیکن ہم جو جانتے ہیں انہیں ایسا کرنے سے روک دیتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں......، لیکن ہم کیسے جانتے ہیں؟ یا تو ہمیں خود آگ کا تجربہ ہو چکا ہوتا ہے یا ہمیں کسی نے بتایا ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے ایک بچے کو رہنما کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسے ہی بنی نوع انسان رہنمائی کے ضرورت مند ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ بالغ ہونے کے بعد بھی۔ یہ ایک فطری احتیاج ہے۔ ہر آدمی کو مختلف اشیا کی خصوصیات کو جاننے کی ضرورت ہوتی ہے تا کہ وہ فائدے حاصل کر سکے اور خود کو مصیبتوں سے بچا سکے۔ یہ جاننے کے لیے کہ اسے کن چیزوں کی ضرورت ہے ایک ایسے شخص کا ہونا ضروری ہے جو اسے بتا سکے کہ کیا درست ہے اور کیا غلط۔ لوگوں کو کیسے پتہ چلتا ہے کہ درست کیا ہے اور غلط کیا؟ وہ خود تجربے کر سکتے ہیں یا وہ دوسروں سے سیکھتے ہیں۔ ان دوسروں کو علم کیسے ہوتا ہے؟ انہوں نے خود بھی یا تو تجربات سے سیکھا تھا یا پھر دوسروں سے سُنا تھا۔ یہ سلسلہ اسی طرح چلتا ہے۔

علمِ انسانی کی رسائی

جہاں تک انسانی علم کا تعلق ہے ہمیں آزمائشوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ علم محدود ہے، وسیع اور جامع نہیں ہے۔ سائنسدانوں نے قوانینِ قدرت و فطرت میں تحقیقات کی ہیں لیکن کیا وہ یہ کہنے کی جرأت کر سکتے ہیں کہ انہوں نے فطرت کے تمام قوانین کو جان لیا ہے؟

آیئے ہم الڈوس ہکسلے (Aldous Huxley) کا قول نقل کرتے ہیں۔ وہ کہتا ہے:
''یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ علم کے کمال تک رسائی تو ایک طرف رہی ہم تو علم کی ابجد سے بھی آگے نہیں بڑھ سکے''۔ ہیوم (Hume) بھی کہتا ہے کہ جہاں تک قوانینِ فطرت کا تعلق ہے سائنسداں یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ فطرت کے وسیع علم کو تشکیل دیتا ہے۔ دُنیا کے بارے میں انسان کا علم بڑھا ہے اور بہت سی ایسی چیزیں جن کے درست ہونے پر زمانۂ قدیم کے علما کا بھی ایمان تھا آج غلط ثابت ہو چکی ہیں۔ مثلاً کچھ لوگ اس سوچ کے زیرِ اثر تھے کہ پانی کو مزید اجزا میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ جدید علمِ کیمیا نے اسے غلط ثابت کر دیا ہے

اور پانی کو اس کے اجزا ہائیڈروجن اور آکسیجن میں بانٹ دیا ہے۔ یورپی لوگ نویں صدی تک اس سوچ کے ماتحت تھے کہ سارے انسان گورے ہوتے ہیں۔ اسی طرح افریقہ کے حبشی اس نظریے کے حامل تھے کہ بنی نوع سارے سیاہ رنگ کے ہوتے ہیں۔

انسان کا علم محدود ہے۔ سائنس اور وسیع علم کی روشنی والے اِس دَور میں بھی ہم صرف ماضی کے متعلق بھی یہ دعویٰ کرنے کے لائق نہیں ہو سکے کہ ہمارا علم مکمل ہے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ حال کے بارے میں ہمارا علم وسیع اور جامع ہے۔ مستقبل کے متعلق تو ہمارا علم کوئی حقیقی ہے ہی نہیں۔ تو اب کیا ہم کسی چیز یا کام کے طریقۂ کار کے اچھا یا بُرا ہونے کے بارے میں کوئی جامع رائے دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں؟ کیا ہم اس مقام پر پہنچ چکے ہیں؟

مذکورہ بحث سے یہ تو واضح ہے کہ ہم خود اس مشکل کو حل کر لینے کے لائق نہیں ہیں اور یہ کہ ہم ایک رہنما کے محتاج ہیں۔ آیئے دیکھیں ہمیں کس قسم کا رہنما چاہیے تا کہ ہم اختیارات کے استعمال کے دوران درست امور کا انتخاب کر سکیں اور خود کو پریشانیوں سے بچا سکیں۔

قابلِ اعتماد رہنما کی تلاش

ماضی میں گوتم بدھ جیسے عقلمند لوگ بھی رہے ہیں جس نے اپنا تختِ شاہی، خاندان اور ہر چیز کو چھوڑا اور انسانی مصیبتوں کے سبب کی تلاش کے لیے خود کو وقف کر دیا۔ وہ جنگلوں اور غاروں میں رہا۔ ایک دن اس نے کہا کہ اس نے حکمت و دانش کو پا لیا ہے۔ اس نے کچھ اصول پیش کیے۔ اشوکا (Ashoka) نے انہیں اصولوں کو لیا اور پتھروں پر کندہ کروالیا۔ گوتم بدھ نے کیا سکھایا؟ اس نے ایسے ذاتی تجربے سے اپنی تعلیمات پیش کیں جسے اس نے اپنے آباواجداد اور دوسروں سے سیکھا تھا اور اسے حکمت و دانش کہا۔ آج بہت سے بدھ خالق کے وجود پر ایمان نہیں رکھتے لیکن بدھوں میں سے زینیا (Zenia) مکتبۂ فکر ایک اعلیٰ ذات کے وجود کو ضرور تسلیم کرتا ہے مگر وہ بھی کہتے ہیں کہ اس اعلیٰ ذات کی صفات نامعلوم ہیں اور کوئی شخص اس تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ اس لیے اسے اہمیت دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ زینیا فرقہ کے معلم نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ گوتم بدھ نے کہا تھا: ''اِیٹی وِیٹی کا'' اور ''اُدنا''، یعنی ''اے بھکو (طالب علمو) بلاشبہ ایک نظر نہ آنے والا، نامعلوم، غیر مولود اور

غیر مخلوق ہے۔ اگر کوئی ایسی ذات نہیں ہے تو پھر کسی شخص کے لیے اپنی مصیبتوں سے خلاصی پانے کا کوئی راستہ نہیں۔

چین میں ہم کنفیوشس (Confucius) کو دیکھتے ہیں جس نے قدیم چینی فلسفیوں سے تعلیمات اخذ کیں اور انہیں ایک ضابطۂ کار کی صورت میں مدوّن کر دیا۔

ہندوستان میں ہم کرشنا (Krishna) کو دیکھتے ہیں جس نے کچھ اخلاقی اصول سکھائے جو اس کی ذاتی ذہانت جسے وہ دوسروں کی مدد سے بڑھا سکا پر مبنی تھے۔ اس کی کتاب گیتا کہلاتی ہے۔

جہاں تک ویدوں کا تعلق ہے تو انہیں مدوّن کرنے والے نامعلوم ہیں۔ ہندو اسکالر تسلیم کرتے ہیں کہ چاروں ویدیں ایسی کتابیں ہیں جو مصر اور مشرقی ممالک کی کہانیوں پر مشتمل ہیں۔

حق کا متلاشی اپنی پیاس بجھانے کے لیے (کیونکہ وہ کسی ایسی رہنمائی کے لیے صحیح معنوں میں پیاسا ہے جو اچھا اور بُرا بتا دے) جب ہندوستان کی طرف دیکھتا ہے اور وہاں کرشنا اور گوتم بدھ جیسے لوگوں کو پاتا ہے جنہوں نے دوسروں سے سیکھی ہوئی اور اپنی ذاتی فہم کی بنیاد پر لوگوں کو تعلیم دی تو وہ ایران کی طرف مڑ جاتا ہے جہاں وہ زرتشتیوں کو دیکھتا ہے۔ ان کے پاس بھی اپنے تجربات اور دوسروں سے سیکھی باتوں کا علم ہے۔ پھر وہ یونان کی طرف آجاتا ہے۔ یہ افلاطون، ارسطو اور سقراط جیسے عظیم فلسفیوں کی سرزمین ہے۔ وہاں وہ دیکھتا ہے کہ یونانی فلسفیوں نے منطق، اپنی فراست اور سائنسی تجربات سے کچھ حقائق پانے کی کوشش کی تھی۔ یونانی فلاسفہ کا علم ان کی اپنی ذہانت، تجربات اور دوسروں سے سُنی باتوں پر مبنی ہے۔

ان تمام حالتوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ معلمین کے پاس محدود علم تھا۔ ان کا علم جامع اور وسیع بھی نہ تھا کیونکہ وہ ان کی اپنی ذہانت اور تجربات یا جو کچھ انہوں نے دوسرے اشخاص سے سیکھا، سے ماخوذ تھا۔

قابلِ اعتماد رہنما کی خصوصیات

حق کا متلاشی اب تھک چکا ہے۔ اسے ایسے کسی مصدر و منبع سے رہنمائی کی ضرورت

ہے جس کا علم ماضی، حال اور مستقبل کو محیط ہو۔ یہ متلاشی ہماری طرف مڑ آئے گا اور سوال کرے گا: ''کیا تمہارے پاس ایسا کوئی مصدر و منبع ہے؟''

آیئے ہم حق کے متلاشی کی توجہ اس صداقت کی طرف مبذول کروا دیں کہ اس دُنیا میں ہماری تمام احتیاجات اور ضروریات قدرت مہیا کرتی ہے۔ قدرت ہمیں خوراک مہیا کرتی ہے قطع نظر اس کے کہ ہم اسے کس شکل میں حاصل کرتے ہیں۔ اگر ہم پیاس محسوس کریں تو اسے بجھانے کے لیے ہم پانی حاصل کر سکتے ہیں۔ ہماری جو بھی ضرورتیں ہوں قدرت بہم پہنچاتی ہے۔

اگر ہمیں ایک رہنما کی ضرورت ہے تو یقیناً یہ بھی ہمیں مہیا کیا جانا چاہیے۔ آیئے غور کریں ہمارا رہنما کس قسم کا ہونا چاہیے۔ ہم جان چکے ہیں کہ ہمیں قدرتی طور پر ایسے منبع سے رہنمائی کی ضرورت ہے جس کا علم وسیع اور جامع ہو۔ ایسا رہنما جو ہم پر مہربان ہو اور ہم سے محبت کرتا ہو کیونکہ اگر وہ رہنما ہم سے محبت نہیں کرتا تو وہ ہمیں غلط راستے پر ڈال سکتا ہے۔ ایک طبیب اپنے علم میں ماہر ہو سکتا ہے لیکن اگر وہ ہمارا مخالف ہو تو وہ ہمیں دوا کی بجائے زہر بھی دے سکتا ہے۔ ہمارے اور اس رہنما کے درمیان وہ تعلق ہونا چاہیے جو درخت کی جڑوں کو اس کی شاخوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کی رہنمائی اس کے اپنے ہی کسی خود غرضانہ مقصد پر مبنی نہ ہو۔

جہاں تک علم کے لیے ہماری پیاس کا تعلق ہے تو ہم انسان ہر ایک چیز کو جاننا چاہتے ہیں، نہ صرف وہ چیزیں جنہیں ہم دیکھتے اور زیر مشاہدہ لاتے ہیں بلکہ وہ چیزیں بھی جو ہم سے پوشیدہ رکھی گئی ہیں۔ اس لیے اُس رہنما کا علم اس قدر وسیع اور جامع ہو کہ اس کے پاس نہ صرف مادّی اشیا کا علم ہو بلکہ اسے غیر مادّی اشیا اور غیب کا بھی علم ہو۔

ہم نے دیکھا کہ دِین ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جس کے ذریعے ہم یہ جان سکتے ہیں کہ اچھا کیا ہے اور بُرا کیا، کیا مفید ہے اور کیا مُضر۔ ہر شخص اپنی کوشش میں کامیابی چاہتا ہے اور ایک کامیاب زندگی چاہتا ہے تاکہ اسے قلب و ذہن کا سکون نصیب ہو۔ اپنے رہنما کی اتباع میں ہمیں یہ ضمانت ملنی چاہیے کہ ہماری کامیابی یقینی ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ وہ

رہنما ایسے ہادی کی طرف سے آیا ہو جو قادرِ مُطلَق ہو تا کہ اگر ہم اس کے احکامات کی فرماں برداری کریں تو کوئی ہمیں روک نہ سکے۔

اس طرح ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ہمارا رہنما علیم (سب کچھ جاننے والا)، قدیر (ہر شے پر قدرت رکھنے والا)، رحیم (ترس کھانے والا مہربان) اور رؤف (بہت محبت کرنے والا) ہو۔

اس نتیجے پر پہنچنے کے بعد ہم اپنے آپ سے سوال کرتے ہیں: کیا ہمارے پاس ایسا کوئی رہنما ہے بھی سہی؟ کیا ایسا کوئی رہنما ہونا بھی چاہیے؟ کیا ایسا کوئی رہنما کہیں ملتا بھی ہے؟ یہ سوال ہمارے اگلے سبق کا موضوع ہوگا۔

قادرِ مطلق اور انسانی فطرت

اسلامی تعلیمات کے مطابق قادرِ مطلق رب پر ایمان رکھنا اور اس کے احکامات کے آگے سرِتسلیم خم کر دینا انسانی فطرت ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **كُلُّ مَوۡلُوۡدٍ يُوۡلَدُ عَلَى الۡفِطۡـرَةِ**۔۔۔ (صحیح بخاری، کتاب: الجنائز؛ باب: **ماقیل فی أولاد المشرکین**) یعنی ہر پیدا ہونے والا فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے۔

صحابہ نے عرض کی: فطرت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: طبیعتِ اسلام۔ اس لیے اسلام فطرت کا مترادف ہے اور فطرت اسلام کی مترادف۔ اسلام کی ساری تعلیمات فطرت سے ہم آہنگ ہیں۔

کسی حاکمِ اعلیٰ پر ایمان رکھنا اور اس کے احکامات کی فرماں برداری کرنا انسان کی جبلت میں داخل ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو وہ قوانینِ فطرت اور اپنے وجود کے قوانین کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ ایک اعلیٰ و اَرفع ذات پر یقین رکھنے کی یہ جبلت انسان کے لیے ایسے فطری ہے جیسے مچھلی کے لیے پانی میں تیرنا۔ جہاں تک تیراکی کا تعلق ہے پیدا ہونے والی نئی مچھلی کو کسی استاد کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور جہاں تک پوری کائنات کا تعلق ہے قادرِ مطلق کے وجود پر یقین رکھنا ہر ذرّے اور ہر ذات کی فطرت میں داخل ہے۔ اس لیے اگر ہم سے قادرِ مطلق کے وجود پر دلیل مانگی جاتی ہے تو اسلام کے مطابق ہمارا جواب یہ ہونا چاہیے کہ

خالقِ کائنات کی ذات پر ایمان رکھنا ہر انسان کی فطری جبلت ہے۔ یہ اس قادرِ مطلق کا وجود نہیں جو دلیل کا مطالبہ کرتا ہے بلکہ یہ اس کا عدم وجود ہے جو دلیل مانگتا ہے۔

عقل و مشاہدہ اور وجودِ باری تعالیٰ

قادرِ مُطلَق کے وجود پر تمام انسانوں کا فطری جبلت کی بنا پر یقین رکھنا ہم کیسے ثابت کر سکتے ہیں۔ اسے ثابت کرنے کا واحد راستہ آزمائش ہے۔ جس طرح ایک سائنس دان اپنے مفروضات کو تجربے اور مختلف اشیا کی آزمائش سے ثابت کرتا ہے ہمیں بھی اسی طرح انسانوں میں حالتِ ایمان کا جائزہ لینا چاہیے۔ پہلے ہمیں اپنی توجہ قدیم قبائل پر مرکوز کرنی چاہیے جنہوں نے کسی تہذیب یافتہ گروہِ انسان سے اثرات قبول نہیں کیے۔ جہاں تک زیادہ ترقی یافتہ قبائل کا تعلق ہے ہم جانتے ہیں کہ بعض تصورات پر ایمان لانے کے لیے انہیں تعلیم وتربیت دی گئی ہے۔ جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ۔۔۔'' (صحیح بخاری، کتاب: الجنائز؛ باب: ما قيل في أولاد المشركين) ''پھر اس کے والدین اسے یہودی بنا دیتے ہیں یا عیسائی یا مجوسی''۔

خوش قسمتی سے مجھے دُنیا کے کئی حصوں میں سفر کرنے کا اتفاق ہوا ہے اور شمالی افریقہ اور برما جیسے مما لک میں مجھے قدیم قبائل کے افراد سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے۔ میں جب بھی ایسے قبائل سے ملا میں نے اُن سے پوچھا: تمہیں کس نے پیدا کیا ہے؟ ان لوگوں نے ہمیشہ آسمان کی طرف اشارہ کر کے جواب دیا اور وہ یہ کہنے کی کوشش کرتے ہیں کہ انہیں نظر نہ آنے والی ایک اعلیٰ وارفع ذات نے پیدا کیا ہے۔ قدرتی طور پر ہم جو سوال پوچھیں گے وہ یہ ہے کہ انہیں کس نے سکھایا۔ اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں عطا فرمایا ہے: ''یہ ان کی فطرت ہے۔ ہر شے اللہ کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کرتی ہے اور اس کی حمد و ثنا بیان کرتی ہے۔'' (دیکھئے: سورۃ الروم: ۳۰؛ سورۃ الاسراء: ۴۴)

پوری کائنات ایک اعلیٰ وارفع ذات پر ایمان رکھتی ہے کیونکہ ایسا کرنا اس کی فطری جبلت ہے۔ جیسا کہ ہندوستان کے ایک عظیم استاد شاہ عبدالعزیز نے فرمایا: ''ہر ایک چیز میں روح ہے وہ روح اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتی ہے۔'' اگر ہم اس روح کا استعمال کریں تو یہ روح ذکر

الٰہی میں ترقی کرتی ہے لیکن اگر ہم اسے دبائیں تو یہ اللہ کو بھول جاتی ہے۔ مگر ہم جو کچھ بھی کرتے ہیں وہ روحِ انسانیت کی فطری جبلت کا حصہ ہونے کی بنا پر موجود رہتی ہے۔

جب کبھی ہم کوئی نئی چیز دریافت کرتے ہیں تو سب سے بڑا خیال جو ذہن میں پیدا ہوتا ہے یہ ہوتا ہے: ''کوئی نہ کوئی اس کا خالق ضرور ہے۔'' اگر وہ چیز ہمارے لیے مفید ہوتی ہے اور ہم نے اسے کسی اور شخص کے وسیلے سے حاصل کیا ہو تو دوسرا خیال جو خود بخود آتا ہے یہ ہوتا ہے: ''ہمیں اس شخص کا شکر گزار ہونا چاہیے۔'' کیوں؟ کیا ہم اس کے مرہونِ منت اس لیے نہیں ہیں کہ اس نے اتنی مفید چیز ہمیں دی؟

یہ دونوں خیال اتنے قدرتی ہیں کہ وحشی سے لے کر اعلیٰ تعلیم یافتہ انسان تک سب کے اذہان کو فوراً گھیر لیتے ہیں بشرطیکہ وہ شخص کچھ سوجھ بوجھ رکھتا ہو کیونکہ صرف ہوشیار ذہن ہی اس انداز سے جواب دے گا۔ انسانی ذہانت جو انسان کو حیوانات سے ممتاز کرتی ہے کا یہ تقاضا ہے کہ ایسے خیالات ہمارے ذہنوں میں لازماً بلاسوچے سمجھے پیدا ہوں۔

اب یہ پوری دُنیا اور اس کی رنگ برنگی نعمتیں مثلاً ہوا، آگ، پانی، نباتات، آسمان اور اس کا نظام شمسی بشمول سورج، چاند اور سیارے؛ سمندر اور اس کی متنوع اشیا اور ان سب کا رہنمائی کے ایک کامل ہاتھ کے تحت مشین کی طرح کام کرنا؛ صرف یہی نہیں بلکہ ہمارا اپنا جسم، اس کے اعضا، اس کے اندرونی حصے، حواس اور ذہانت یہ سب نعمتیں ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں اور ہم ہر لمحے ان سے فوائد حاصل کرتے ہیں۔

کیا یہ عقل و خرد کی حدود میں نہیں آتا کہ جونہی یہ اشیا ہماری نظروں کے سامنے آتی ہیں اور ہم ان کے وجود اور فوائد سے آگاہ ہوتے ہیں مندرجہ بالا دونوں خیال فوراً بلا ارادہ ہمارے ذہن میں ابھرتے ہیں اور ہمیں صرف اس ایک نتیجے پر پہنچاتے ہیں کہ کائنات کی اس حیران کن پیچیدہ مشینری کا صانع اور انجینئر لازماً لامحدود حکمت و دانائی کا مالک ہے۔

حقیقتِ مطلقہ اور فلسفہ

فلسفہ جو ہر واقعہ کے وقوع کی بنا علت و معلول یا سبب و مسبب کے بنیادی اصول پر رکھتا ہے ہمیں اس نتیجے پر لے آتا ہے کہ اسباب کے سلسلے کو ایک سب سے بڑا اَصل سبب،

ایک حقیقی سبب چاہیے۔اس سب سے بڑے اصل سبب کو سببِ کل، عقل کل یا حقیقتِ مُطلقہ سمجھنا چاہیے۔

کیمسٹری اور فزکس کے شعبوں میں اپنی تحقیقات کے بعد سائنسدان پہلے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ کائنات کے سارے مادّے سے انہیں اس وقت حاصل عمیق ترین اور واضح ترین سائنسی علم نے جو بات ذہن میں راسخ کی ہے وہ ایک مقدس یا پاک وجود (یعنی اللہ) کا احساس ہے۔

مختصر یہ کہ جہاں سائنسدانوں کی تحقیق اپنی انتہا کو پہنچتی ہے وہیں سے دِین کی ابجد شروع ہوتی ہے کیونکہ گھاس کے ایک چھوٹے سے پتے سے لے کر بہت بڑے سیارے تک کا صانع کون ہے؟ کے سوال کے لیے ایک دین دار کا ہمیشہ سے مستقل جواب یہ ہے: ''ان کا خالق صرف ایک ہی ہے جسے مختلف لوگ مختلف نام دیتے ہیں مثلاً سبب الاسباب، سببِ اُولیٰ، عقلِ کُل، حقیقۃ مطلقہ لیکن یہ دین و مذہب کی اصطلاح میں ''خدا'' یا ''اللہ'' کے نام سے معروف ہے۔وہی تمام اسباب کا سبب ہے اور اس کے اپنے وجود کا کوئی سبب نہیں۔اس لیے وہ ابدی ہے۔وہی تمام مادّے کے پیچھے اصل اور حقیقت ہے لیکن وہ کسی بھی طریقے سے اس کا حصّہ یا جزو نہیں ہے۔اس لیے وہ غیر مادّی ہے۔وہ پوری کائنات کا خالق ہے۔نتیجہ یہ کہ وہ خود غیر مخلوق ہے۔

تمام اجسام متغیر ہیں۔ان کی تحلیل و تجزیے نے ان کی تغیر پذیری کو ثابت کیا ہے اور ان کی تغیر پذیری واضح طور پر ان کی پیدائش کو ثابت کرتی ہے جو پھر قدرتی طور پر ان کی موت کی توثیق کرتی ہے۔تاہم اللہ غیر مادّی ہے۔نتیجہ یہ کہ اس کا تجزیہ ناممکن ہے اور اس کی ناتغیر پذیری ناقابلِ فہم ہے۔اللہ کا ازلی و ابدی ہونا واجب ہے یعنی وہ قیوم ہے۔

اس طرح اس کے وجود کی نہ تو ابتدا ہے اور نہ انتہا۔وہ ابدی، غیر مادّی، غیر متبدّل، خالق کائنات اور واحدِ حقیقی خالق ہے۔یہ دین کا پہلا سبق ہے۔

دنیا کے تمام معروف اور مُسلَّم ادیان جن کے پیروکاروں کی تعداد اربوں میں ہے وہ اسے مختلف ناموں سے پکارتے ہیں۔اگرچہ مؤخر الذکر نے اپنی ذہانت کے مطابق اس کے

بارے میں مختلف انداز کے تصورات تشکیل دیئے ہیں، سچائی اس میں بہر حال ہے۔ یہ ہزاروں پردوں کے پیچھے سے اس میں جھانکتا ہے۔ اپنی اصل تعلیمات میں تغیر و تبدّل کے باوجود اس میں اس کی شعاعیں خیرہ کر دینے والی آب و تاب کے ساتھ چمکتی ہیں۔

تمام اصحابِ فہم و فراست چاہے وہ فلسفی ہوں یا سائنسدان، اہل دانش ہوں یا انبیا، پڑھے لکھے ہوں یا معمولی آدمی سب معمولی سی سوچ کے بعد لازماً ایک ہی نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ایک ہی ابدی وجود ہے جو سب کا خالق ہے اور یہ کہ وہی اکیلا بلا شک وشبہ ۹۲ کیمیائی عناصر سے مرکب موجودات کا رازق ہے، جو عام آنکھ سے نظر نہ آنے والے مختلف اقسام کے ایٹموں سے مرکب ہیں۔ سائنسدانوں کا یقین ہے کہ مادّہ نہ تو پیدا کیا جا سکتا ہے اور نہ معدوم، کائنات میں اس کی مقدار مستقل ہے اور اسے تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ ان کا یہ بھی ایمان ہے کہ ہر چیز کے کام کرنے کی صلاحیت کی مقدار بھی متعین ہے اسے بھی تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی مزید تحقیق یہ واضح کرتی ہے کہ ایٹم نا قابلِ تقسیم نہیں ہے اور کائنات میں مادّے کی کُل مقدار بھی مستقل نہیں ہے۔ انہوں نے مادّے کی تباہی بلکہ اس کی توانائی میں تبدیلی کو ریڈیائی مادے مثلاً ریڈیم، یورینیم وغیرہ میں دیکھا تو انہیں معلوم ہوا کہ تمام ۹۲ مختلف اقسام کے عناصر کے ایٹم بجلی کے منفی اور مثبت اجزا کی مختلف تراکیب کا نتیجہ ہیں۔ جنہیں پروٹان اور الیکٹران کہتے ہیں جو ایک خاص انداز میں مادّے میں حالتِ گردش میں پائے جاتے ہیں۔

ان نتائج نے بجلی اور مقناطیسیت کی حقیقت کے بارے میں کچھ مزید حقائق کو آشکار کیا۔ لیکن مزید تحقیقات نے یہ انکشاف کیا کہ بجلی کے ذرّے نور کی شعاعوں کے چھوٹے چھوٹے نکتوں کے سوا کچھ نہیں ہیں جو ایک ایسے مرکز کے گرد مقید ہیں جس کے گرد لہریں گھومتی رہتی ہیں۔ اس طرح تمام مادّہ کسی نہ کسی قسم کی توانائی میں ڈھلتا رہتا ہے۔ کیا آپ کو علم ہے کہ توانائی کیا ہوتی ہے؟ کوئی اس کی موروثی حقیقت کو نہیں جانتا لیکن ہم اسے اس کی ظہور کی وجہ سے پہچانتے ہیں اور تعریف کرتے ہیں کہ یہ کام کرنے کی صلاحیت کا نام ہے۔

اس لیے یہ واضح ہو گیا کہ کیمسٹری اور فزکس کی تمام تحقیقات کا نتیجہ یہ دریافت ہے کہ

اس مادّے اور توانائی کی دنیا کے سارے متنوع مظاہر صرف کسی وجود کے ''کام کرنے کی صلاحیت'' کا اظہار ہیں جو ابھی تک سائنسدانوں کو معلوم نہیں ہوسکا۔ وہ وجود جو سائنسدانوں کو معلوم نہیں ہوسکا دین کی سائنس میں اس کا نام خدا یا اللہ ہے۔ سر کلوَر لاج (Cliver Lodge) کہتا ہے: ''جب ہم کسی مرحلے پر وجود کے متعلق اپنا فلسفہ بیان کرتے ہیں تو ہمیں لازماً مادّی سائنس کی حدود سے اوپر جانا پڑتا ہے اور مافوق الانسان رہنما اور رہبر طاقت کو تسلیم کرنا پڑتا ہے''۔ ڈاکٹر ڈِیوڈ سٹار جارڈن (David Starr Jordon) کہتا ہے: ''اگر ہم کافی گہرائی میں جا کر سوچیں تو کیا سائنس ہمیں خدا پر ایمان لانے پر مجبور نہیں کرتی؟'' سر اَرتھر کیتھ (Arther Keith) لکھتا ہے: ''ہم چاہے سائنسدان ہوں یا معمولی آدمی ہمیں لازماً کائنات کا ایک رب فرض کرلینا چاہیے''۔

r r r r

سبق نمبر دو: معرفتِ حق کا معیار

کوئی چیز چاہے چھوٹی سی ہو یا بہت بڑی پیچیدہ مشینری اس کا بنانے والا اسے بنانے سے قبل یا بناتے وقت یا کم از کم جب وہ اسے مکمل بنالیتا ہے اس کی خصوصیات اور فوائد جانتا ہے۔ یہ صرف صانع ہی ہوتا ہے جو اس کی تعمیر و تشکیل اور اس کے مختلف پُرزوں کے کام کا علم رکھتا ہے۔ کسی معمولی انجن یا مشین کو دیکھیں تو اس کے مختلف پُرزے ایک خاص منصوبے کے تحت آپس میں جڑے ہوئے نظر آتے ہیں اور اگر کوئی ایک پُرزہ بھی اپنی مقررہ جگہ سے نکال لیا جائے تو مشینری کا پورا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ وہ موجد جس نے اسے بنایا جانتا ہے کہ کس پرزے کو کونسی خاص جگہ پر رکھنا ہے۔ مشین کو تیل، کوئلے یا گیس میں سے کس کے ذریعے کیسے چلانا ہے اور یہ بھی کہ کونسا خاص کام اس مشین کے ذریعے کیا جا سکتا ہے۔ اسی لیے لوگوں کو مکینیکل انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کرنی پڑتی ہے اور ان اصولوں کو سیکھنا اور ان میں مہارت حاصل کرنا ہوتی ہے جو اصلی موجد وضع کرتا ہے تاکہ مشین سے محفوظ اور مناسب طریقے سے اور صانع کے منصوبے کے مطابق کام لیا جا سکے۔

عظیم ترین فلسفی یا منطقی، سب سے زیادہ زیرک ریاضی داں، سب سے بڑا ماہرِ نباتات، معدنیات شناس یا ماہرِ حیوانات اپنے اپنے شعبے میں چاہے جتنے بھی دانشمند ہوں اگر اپنے علم کے ساتھ اس مشین کو چلانے کی کوشش کرتے ہیں تو ہر ایک یقیناً ناکامی کا سامنا کرتا ہے۔ چاہے ہم یہ بھی فرض کر لیں کہ وہ ایک حد تک ضرور کامیاب ہو جاتا ہے پھر بھی اسے یقین ہوتا ہے کہ وہ مشین کو ناقابلِ مرمّت حد تک تباہ کر بیٹھے گا۔ اور اس بات کے بھی امکانات ہیں کہ وہ اس کوشش میں اپنی زندگی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ اگر وہ مشین کو مناسب انداز میں چلانا چاہتا ہے تو اسے مکینیکل انجینئرنگ کا علم لازماً حاصل کرنا ہوگا اور مشین کے موجد کے وضع کردہ اصولوں کو سیکھنا ناگزیر ہوگا۔

تاہم اگر اس کی ذہانت اُس موجد سے افضل ہے اور اُسے ایجاد اور دریافت کی

لا متناہی صلاحیت عطا کی گئی ہے تو یہ ممکن ہے کہ وہ اس مشین کے صانع کی طرف سے مکینیکل انجینئرنگ ہدایات اور تعلیم کے بغیر بالکل ٹھیک طریقے سے اسے چلا سکے۔

تخلیق کے معاملے میں بھی یہی بات ہے جس کا بنانے والا خالقِ مطلق اور مالکِ کائنات ہے۔ جس کا کرم لامحدود ہے اور جس کی عظمت کا پورا اظہار ناممکن ہے۔ کسی انجن میں چھوٹے سے پرزے کی طرح اس نے اس کائنات کے ہر ایٹم کو کسی نہ کسی مقصد کے تحت پیدا کیا ہے۔ اس کائنات کے مختصر ترین ذرّے سے لیکر بلند ترین پہاڑ اور سیاروں تک سب اس کائنات کی مشینری کے پرزے ہیں۔ اسی طرح انسانی مشین کے پرزے عضلات سے لیکر صرف خوردبین سے نظر آنے والے خلیوں تک ایک خاص مقصد اور مقررہ کام کے پیش نظر بنائے گئے ہیں۔ اور ایسے ہی انسانی مشین کا ہر جزو ہے۔ ہر عضو کو ایک خاص صلاحیت اور قابلیت بخشی گئی ہے اور اس نے ایک مقررہ کام کرنا ہے۔ اس کے بعد مزید یہ کہ پورا انسانی جسم خاص مقاصد اور اہداف کے لیے بنایا گیا ہے۔ مرد اور عورت، طاقتور اور کمزور، امیر اور غریب، گورے اور کالے میں فرق رکھا گیا ہے جن کا مقصد صرف خالق کو معلوم ہے بالکل ایسے جس طرح مشین کا موجد اس مقصد کو جانتا ہے جس کے پیش نظر وہ مختلف اجزا کو بناتا اور ان کی شکلیں وضع کرتا ہے۔

جس طرح انجن کے وجود سے پہلے اس کے موجد کا موجود ہونا شرط ہے اسی طرح اس کائنات کے خالق کا موجود ہونا واجب ہے جو اس کائنات کی تخلیق کے لیے اوّلین شرط ہے۔ پھر یہ کہ جس طرح اس کا وجود بلاشبہ یقینی ہے اس طرح اس کا علم بھی یقینی ہے؛ جس طرح وہ ازخود موجود ہے اسی طرح اس کا علم ازخود ہے۔ وہ اس وقت بھی موجود تھا جب یہ کائنات نہ تھی۔ فنکار اس وقت موجود تھا جب فن پارہ نہیں تھا۔ اسی طرح جبکہ تخلیق اور مخلوق نہیں تھیں خالق کو ان کا اور ان کے متعلقات کا علم تھا۔ صرف وہی جانتا ہے کہ اس نے کب اس کائنات کو پیدا فرمایا اور کیوں اس نے اُس کام یعنی مخلوق میں تنوع پیدا کیا۔

ہم نے ابھی ابھی یہ واضح کیا ہے کہ ایک ذہین وفطین آدمی کسی مشین کے پرزوں کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور ان پر اپنی توجہ مرکوز کرتا ہے تو شاید مشین کو ایک حد تک چلا لینا اس

کے لیے ممکن ہو جائے لیکن وہ یقیناً اس کے تمام کل پرزوں سے مکمل طور پر واقف نہ ہو سکے گا کیونکہ اس کا علم اس کے تمام پرزوں کی بناوٹ اور ترکیب کو محیط نہیں۔ اس لیے جامع اور مکمل مہارت میں خامی رہ جانے کی وجہ سے اس کی اہلیت مشکوک ہو جاتی ہے اور اگر وہ مشین کو چلانے میں وقتی اور عارضی کامیابی حاصل کر بھی لے تو اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ یہی انسانی مشین کا معاملہ ہے۔ انسان کے اندر ایک اصول پایا جاتا ہے وہ ایک چیز کو کبھی اچھا سمجھتا ہے تو کبھی بُرا۔ نتیجہ یہ کہ اسے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کا فیصلہ غلط تھا اس بنا پر وہ اپنے تصور میں اصلاح کرتا ہے۔ انسان کا علم زمانۂ حال کے واقعات تک محدود ہے اور زیادہ سے زیادہ وہ ماضی میں سے کچھ جان لیتا ہے۔ اس لیے انسانی ذہن انسانی زندگی کے لیے جو قوانین بھی وضع کرے گا وہ حال اور ماضی کے تجربات سے حاصل ہونے والے اسباق پر مبنی ہوں گے لیکن وہ مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات سے مکمل طور پر لاعلم ہے کیونکہ کوئی انسان مستقبل میں نہیں جھانک سکتا۔ نتیجہ یہ کہ انسانی قوانین اتنے ناقص ہیں کہ معاصر نسل کے لوگ ماضی کے قوانین میں بہتری کی خاطر ترمیم کو ناگزیر سمجھتے ہیں۔ حتیٰ کہ موجودہ پود کے بلند پایہ مفکرین اور قانون دانوں کے ہی وضع کردہ قوانین میں مختصر عرصہ کے بعد زیادہ کامل تجربہ اور آزمائش کی روشنی میں تبدیلی متعارف کروانے کی ضرورت محسوس ہو جاتی ہے مگر اس کائنات کے خالق کا علم اور دانائی ماضی، حال اور مستقبل کو محیط ہے اور وہ مکمل طور پر انسان کی طبیعت کا مدرِک ہے۔ اس لیے صرف اس کے ہی قوانین ہیں جو کامل ہیں اور ترمیم سے بے نیاز ہیں۔ ہاں اگر کوئی ایسا ذہن موجود ہوتا جو اس علیم کی عقل سے زیادہ طاقتور اور فہیم ہوتا تو یہ انصاف سے کہا جا سکتا تھا کہ وہ ذہن اس کائنات کی مشینری کو چلا سکتا ہے۔ جبکہ ایسے کسی ذہن یا عقل کے وجود کا تصور ہی مضحکہ خیز ہے جو اس مشینری کو نہ صرف سمجھ سکتا ہے بلکہ خود اس جیسی بنا بھی سکتا ہے۔

ہر فنکار اپنے فن پارے سے محبت کرتا ہے۔ یہ ایک مسلّم سچائی ہے جسے دلائل سے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں۔ مشینری کو ایک طرف رکھ دیں ایک معمولی سے فن پارے کو بنانے والا بھی اسے نقصان پہنچانے یا مکمل تباہ کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ یہ سمجھنے کے لیے

کسی فلسفی کے ذہن کی ضرورت نہیں کیونکہ ایک اوسط ذہانت کا شخص بھی سمجھتا ہے کہ اگر کوئی اپنے ہاتھوں سے مٹی کا ایک کھلونا بھی بناتا ہے تو اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنے کی خواہش نہیں کرتا۔ ایسی صورت میں کیا یہ قابلِ فہم ہے کہ ایک عظیم فلسفی اور ایک علیم ذات جس نے اتنی بڑی کائنات اپنی قدرت سے بنائی اور انسان کو اس محیر العقول کاریگری پر سوچ و بچار کرنے کے لیے ذہانت عطا فرمائی اور اُسے اِس کے مختلف اجزا سے فوائد حاصل کرنے کے لیے باصلاحیت بھی بنایا، وہ انسان کو اس جگہ کام کرنے کے لیے متعلقہ ضروری اُصولوں اور ضابطوں سے جاہل رہنے کی اجازت دے سکتا ہے؟ نہیں، وہ خطوط جن پر جسمِ انسانی کی مشین کو لازماً کام کرنا چاہیے یا اسی جیسی مشین کو ظاہر کرنے کا سبب بننا چاہیے تاکہ مشین غیر فعال نہ رہے، تاکہ اس کا بھرپور استعمال کیا جا سکے۔

ہمارے تیسرے سبق کے تعارف کے لیے میں یہ ذکر ضرور کروں گا کہ جب ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرما کر یمن جانے اور وہاں اسلام کی تبلیغ کے لیے روانہ فرمایا تو انہیں نصیحت فرمائی: ''اے علی انہیں بتانا کہ صرف ایک اِلٰہ پر ایمان لائیں اور اللہ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں۔ جب وہ اس کے قائل ہو جائیں پھر انہیں کہنا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اللہ کا نبی ہونے پر ایمان لائیں۔ جب وہ اس کے قائل ہو جائیں تو پھر انہیں نماز سکھانا۔ جب وہ اس کے قائل ہو جائیں تو پھر انہیں زکوٰۃ، صیام اور حج کے احکام کی تعلیم دینا''۔ [اکثر کتبِ احادیث میں اس مضمون کی حدیث سیّدنا معاذ بن جبل سے متعلق ہے] یہ حدیث ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نصیحت یہ ہے کہ ہماری اسلام کی تبلیغ و تعلیم بتدریج ہونی چاہیے۔ وقت بدل گیا ہے، بدقسمتی سے علما، خطبا اور عام مسلمان اسلام کے بنیادی اُصولوں اور دوسری غیر ضروری شروط میں فرق نہیں کر سکتے۔ اسلام کو قبول کرنے کے لیے متوقع لوگوں کو یہ بتایا جاتا ہے کہ انہیں اپنے ختنے کروانا ضروری ہے۔ ختنہ صرف ایک سُنّت ہے اگرچہ یہ بہتر ہے کہ ہر مسلمان مرد اپنا ختنہ کروائے مگر اسے ان لوگوں کے لیے ناگزیر نہ بنا دیا جائے جو اسلام قبول کرنے کے خواہش مند ہوں۔ جب میں زنجی بار (Zanzibar) میں تھا مجھے معلوم ہوا کہ تقریباً پانچ ہزار حبشی اسلام قبول کرنا چاہتے

تھے مگر انہوں نے اسے قبول نہ کیا کیونکہ انہیں یہ بتایا گیا تھا کہ ختنہ کروانا ان پر واجب ہے۔ بعد میں خبر ملی کہ انہی لوگوں نے عیسائیت قبول کر لی ہے۔

اپنے سابقہ سبق میں ہم نے دین، دینی قوانین کی ضرورت اور اُس علیم، قدیر اور رحمٰن ذات جس نے ہمیں پیدا فرمایا، سے حصولِ ہدایت کی ضرورت پر بحث کی ہے۔ اب اس سوال کا جواب دیں گے کہ اس عظیم ذات سے ہم تک ہدایت کیسے آ سکتی ہے۔ ہم اس طریقۂ کار کو جانتے ہیں جسے اللہ نے انسانوں کی طرف اپنے انبیا و رسل بھیجنے کے لیے اختیار فرمایا ہے۔ ہم یہ پوچھ سکتے ہیں کہ اس قادرِ مطلَق نے اس انداز کو کیوں پسند فرمایا؟ اس نے ہر ایک شخص کو براہِ راست کیوں نہ اِلہام فرما دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اللہ بھی یہی طریقہ اختیار فرماتا تو پھر بنی نوع انسان اور کائنات کی دوسری اشیا میں کوئی فرق نہ رہتا۔ سب کو چار و ناچار قوانینِ فطرت کی مجبوراً پیروی کرنی پڑتی۔ تاہم بنی نوع انسان کو دانش مندی اور اچھے برے میں تمیز کرنے کی صلاحیت بخشی گئی اور نیکی یا بدی میں سے کسی کا انتخاب کرنے کا اختیار دیا گیا۔ چونکہ انسان کو انتخاب کا یہ اختیار حاصل ہے اس لیے انہیں ایک ایسی ہدایت کی ضرورت ہے جو انہیں یہ بتائے کہ درست کیا ہے اور غلط کیا ہے؟ اس لیے اللہ تعالیٰ نے وقتاً فوقتاً کئی علاقوں میں بنی نوع انسان کو زندگی گذارنے کا طریقہ سکھانے کے لیے اپنے انبیا اور رُسل بھیجے۔

اگلا سوال ہم اپنے آپ سے یہ کرتے ہیں کہ ہم کیسے جان سکتے ہیں کہ ایک ہدایت واقعی اللہ کی طرف سے آئی ہے اور کسی انسانی ذہن کی اختراع سے نہیں ہے؟ ہمیں کیسے یقین ہو سکتا ہے کہ ہمیں ملنے والی اس ہدایت کے منبع و مصدر کا علم لامحدود اور جامع ہے؟ اس سلسلے میں اَوّلین اور بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ شخص جو اس ہدایت کو ہم تک پہنچاتا ہے اس نے اسے قادرِ مُطلَق سے حاصل کیا ہو نہ کہ اپنے ہی ذہن سے اس نے اسے نکالا ہو۔ اگر یہ پتہ چلتا ہے کہ ہمیں پیغام پہنچانے والا وہ شخص ہمارے ہی جیسا ہے جس نے ہماری طرح علم و حکمت حاصل کیا ہے تو ہم شک کر سکتے ہیں کہ اس کے پاس جو علم ہے وہ اس کے ذاتی تجربات اور جو کچھ اس نے دوسروں سے سیکھا ہے کا نتیجہ ہے۔ اس لیے کسی نبی یا رسول کو جاننے کا معیار یہ

ہے کہ اس کا ذہن مکمل طور پر صاف ہو اور اس کے پاس ایسا کوئی علم نہ ہو جسے اس نے انسانی مصادر سے حاصل کیا ہو۔ اگر اسکولوں کالجوں سے تعلیم یافتہ شخص نبی ہونے کا دعویٰ کرے تو ہمیں اُسے کہنا چاہیے کہ تم ایک تعلیم یافتہ آدمی ہو ہمیں کیسے اس بات کا یقین ہو سکتا ہے کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہے اور یہ اس میں سے نہیں ہے جسے تم نے اپنے تجربات اور پڑھائی سے سیکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْأُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ... (سورۃ الجمعۃ: ۲)

ترجمہ: ''وہی ہے جس نے اَن پڑھوں میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا''۔

اسی طرح وہ معاشرہ جس میں ایک نبی نے نشو ونما پائی اسے بھی ناخواندہ ہونا چاہیے تا کہ معاشرے کے افراد سے حصولِ علم کا امکان ہی نہ رہے۔ نبوت و رسالت کا دعویٰ کرنے والا وہ شخص نہ صرف ناخواندہ اور انسانی تجربات پر مبنی علوم کے حصول سے ناواقف ہو بلکہ اس دنیا کا وہ ماحول جس میں وہ پلا بڑھا اور پرورش پائی بھی ناخواندہ اور جاہل ہو۔ صرف اسی صورت میں ہمیں یقین ہو سکتا ہے کہ جو کچھ وہ کہتا ہے اللہ کی طرف سے ہے۔ جیسا کہ اللہ نے قرآن مجید میں ہمارے نبی اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارے میں فرمایا ہے: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۔ (سورۃ النجم: ۳۔۴)

ترجمہ: ''وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے''۔

انبیا ہماری طرح انسان ہوتے ہیں کیونکہ ان میں تمام انسانی صفات ہوتی ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔ (سورۃ الکھف: ۱۱۰)

ترجمہ: ''تم فرماؤ ظاہر صورتِ بشری میں تو مَیں تم جیسا ہوں''۔

وہ انسان ہوتے ہیں اِلٰہ نہیں کیونکہ اگر وہ اِلٰہ ہوتے تو انسانوں کے لیے نمونۂ عمل نہ بن سکتے۔ ایسے انبیا کا مقصد یہ ہے کہ وہ اللہ کا پیغام پہنچائیں اور خود اس پر عمل کر کے نمونہ بنیں۔ ایک رسول کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک انسان ہو، کوئی مافوق الانسان ذات نہ ہو۔

تاہم ہماری سوچ یہ غلطی نہ کرے کہ انبیا و رُسل بھی معمولی انسان ہوتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ان میں انسانی صفات ہوتی ہیں مگر انہیں پیغامِ الٰہی کو وصول کرنے کی عظیم صلاحیت عطا

کی جاتی ہے۔فہم وفراست کی وہ صلاحیت جسے وجدان بھی کہتے ہیں عام انسانوں میں بھی پائی جاتی ہے مگر یہ انبیا ورسل میں اپنی اعلیٰ ترین کیفیت کے ساتھ موجود ہوتی ہے۔قرآن مجید میں ہمارے نبی ٔکریم کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا گیا ہے:''فرماؤ میں تم جیسا ایک انسان ہوں مگر میرے اندر وجدان کی صلاحیت پائی جاتی ہے اور میری طرف وحی کی جاتی ہے''۔

اس لیے عام انسانوں اور انبیا میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔نبوت عطا ہوتی ہے اسے حاصل نہیں کیا جاسکتا۔وہ لوگ جو نبی ہیں وہ اپنی پیدائش سے پہلے بھی نبی تھے اور پیدائش کے وقت بھی نبی۔اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:وَإِذْ أَخَذَ اللهُ مِيثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ط قَالَ ءَ أَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ إِصْرِيْ ط قَالُوْٓا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَأَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ O (سورۃ آل عمران:۸۱)

ترجمہ:''اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے اُن کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا،فرمایا کیوں تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہوجاؤ اور میں آپ تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں''۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیا کو اکھٹے دیکھا اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب وہ عالمِ ارواح میں اکھٹے موجود ہوں۔

اس لیے نبوت اعمالِ صالحہ کے ذریعے حاصل نہیں کی جاسکتی جیسا کہ قادیانی اور لاہوری دعویٰ کرتے ہیں۔محمد علی اپنے ترجمۂ قرآن کے مقدمہ میں کہتا ہے:''یہ (یعنی اسلام) اعلان کرتا ہے کہ اگرچہ نبیِ پاک حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے بعد کسی نبی کی ضرورت نہیں کیونکہ دین اور دینی قوانین آپ کی آمد سے مکمل ہوگئے ہیں لیکن وحی اِلٰہی کا دروازہ اب بھی کھلا ہے اور ایک سچا مسلمان اس تک رسائی حاصل کرسکتا ہے۔''وہ مزید کہتا ہے:''اس لیے اسلام کا وسیع اصول کہ کوئی بھی اللہ کے ساتھ ہم کلامی کا مقام پالینے سے یا وحی الٰہی کے منبع سے حصہ

پانے سے محروم نہیں ہے اور یہ کہ کوئی شخص بھی قرآن مجید میں مندرج مقدس کلام اللہ کی اتباع سے اسے حاصل کر سکتا ہے۔'' سورۃ الفاتحہ کی چھٹی آیت کی تفسیر میں وہ لکھتا ہے: ''وہ جن پر انعام کیا گیا چار گروہ ہیں یعنی: انبیا، صدیقین، شہدا اور صالحین۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے مطابق انعام جو انبیا پر کیا گیا ان میں وحیٔ الٰہی کا تحفہ جو کہ سب سے بڑا انعام ہے اب بھی ان صالحین کو عطا کیا جا سکتا ہے جو صراطِ مستقیم پر چلتے ہیں۔''

یہ نظریہ ہر لحاظ سے غلط ہے۔ ایک نبی ابتدا ہی سے نبی کی صورت میں چُنا یا پیدا کیا جاتا ہے۔ وہ اپنی طبیعت کے لحاظ ہی سے ایک نبی ہوتا ہے۔ وہ پیغامِ الٰہی کو وصول کرنے کی عظیم ترین وجدانی صلاحیتوں کا ابتدا ہی سے حامل ہوتا ہے۔

یہ تو تھا انبیا و رسل کی خصوصیات وصفات کا سوال۔ اس کے بعد اگلا سوال یہ ہے کہ وہ پیغامِ الٰہی کا ادراک کیسے کرتے ہیں؟ وہ وحی کو حاصل کیسے کرتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے خود آدمی کو اپنے فائدے کے لیے اس کی حد اور استحقاق کے مطابق مشین کے فہم اور اسے کام میں لانے کی صلاحیت کی ایک مناسب مقدار سے نوازا ہے۔ اس نے بعض افراد کو انسانی طبیعت کی انتہائی پیچیدہ مشینری کو سمجھنے اور اس کے کام کرنے کے اصول سکھانے کے لیے مقرر بھی کیا ہے۔ انہی چُنے ہوئے افراد کو اس کا پیغام سُننے، اس کی پوری اہمیت کو سمجھنے اور غیر مہذب لوگوں کو اِسے پڑھانے کی صلاحیت سے بھی نوازا گیا ہے۔

اسی طرح اب ہم آپ کو ایک مثال کے ذریعے یہ سمجھاتے ہیں کہ انبیا وحی کو کیسے حاصل کرتے ہیں۔ آپ اس مثال سے حقیقت کے ہلکے سے تصور کو پا لیں گے۔ اس کائنات کے خالق اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغامات کو کلام کی شکل دی جو نور کے نقطوں کی شکل میں عالمِ نور اور عالمِ ارواح میں انبیا و رسل کی ارواحِ مقدسہ پر نقش ہو گیا اور جب یہ ارواحِ مقدسہ ان کے طیب و طاہر بشری اجسام میں ڈالی گئیں تب مقررہ وقت پر پہلے سے طے شدہ منصوبے کے مطابق جبریل علیہ السلام کے واسطہ سے ان پر نور کی شعاعیں ڈالی گئیں تو رسولوں نے وہ الفاظ بولے جو ان کے اپنے نہیں تھے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ کو دُہرانا تھا؛ وحی کو سمجھانے کے لیے یہ آسان ترین تمثیل ہے۔

اس طرح بے خودی کی حالت میں جب ربّانی شعاعیں ان پر مرکوز کی جاتیں تو جو الفاظ ان کے منہ سے نکلا کرتے وہ ان کے اپنے نہیں ہوتے تھے بلکہ یہ وہ ہوتے تھے جو بوقتِ تخلیق ان کی ارواح پر اللہ تعالیٰ نے مرتسم کیے تھے۔

اس تفصیل کو بیان کرنے کا مقصد نبوت کی دو ناگزیر صفات یا خصوصیات کو واضح کرنا ہے۔ پہلی یہ کہ وحی الٰہی کے وصول کنندہ یعنی انبیاو رُسل جن کی ارواح کو اللہ تعالیٰ نے خاص مقصد کے لیے پیدا فرمایا تھا کو اس دُنیا میں پائی جانے والی کسی تعلیم کی ضرورت نہیں ہوتی تھی کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے امتیازی سانچے میں پہلے ہی سے ڈھلے ہوئے ہوتے تھے اور اپنے علم اور اس کی تحصیل کے لیے کسی انسان کے محتاج نہیں ہوتے تھے۔ ذرا سی وضاحت تمہیں مطمئن کر دے گی کہ ایسا نظم و نسق بہر حال ناگزیر تھا کیونکہ اگر انہوں نے تجربے اور علم کے منافع اپنے ہی جیسے انسانوں سے سیکھے ہوتے یا اگر کسی انسان نے انہیں کوئی سبق سکھا یا ہوتا تو ان کی اصلاح و اضافے کے ذمہ دار مصادر کو اپنے تربیت یافتہ اشخاص یعنی انبیاو رُسل کے مقابلے میں لازماً زیادہ لائقِ عقیدت سمجھا جاتا۔ علاوہ اَزیں اُن کے اَذہان ایسی تحصیل کے زیر قبضہ رہتے۔ اور دوسروں سے ہٹ کر خود اُن کے لیے ان علوم میں امتیاز کرنا مشکل ہوتا جسے انہوں نے لوگوں سے سیکھا اور جسے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا۔ مزید برآں ہم نہ صرف سخت مشکل میں ہوتے بلکہ ہمارے لیے پیغمبر اور غیرِ پیغمبر میں امتیاز کرنا ممکن نہ ہوتا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ پیغمبر کی شناخت کا سب سے بڑا معیار یہ ہے کہ انسانی مادّی ذرائع سے کسی قسم کی تنویر حاصل کیے بغیر وہ بے نظیر ادبی عبارت لانے، اخلاقی اور مثالی اصولوں کی تشریح کرنے اور موت و حیات کے پیچیدہ ترین مسائل کو حل کرنے کا ذمہ دار ہو جنہیں دوسرے بیان نہ کر سکیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایک نبی کا **ناخواندہ** ہونا **بنیادی شرط** ہے۔

دوسری بات یہ واضح ہوتی ہے کہ نبوت کوئی منصب یا عہدہ نہیں جس پر کسی کو اس کی تعلیمی قابلیت کی بنیاد پر فائز کیا جاتا ہے اور نہ ہی یہ ایسا کوئی مرتبہ ہے جسے کوشش، رعب یا خاندانی مقام، یونیورسٹی کی کسی ڈگری یا ڈپلومہ کی اساس پر حاصل کیا جا سکے۔ ہاں یہ تحفۂ رَبّانی اور نعمتِ الٰہیہ ہے اَور اللہ تعالیٰ اس کا مستحق انہیں بنا دیتا ہے جنہیں وہ چُن لیتا ہے اور

ساتھ ہی وہ انہیں تمام ضروری لوازمات سے لیس بھی کر دیتا ہے۔ ایک شخص بِلاشبہ تعلیم کے میدان میں اپنے مطالعے سے اعلیٰ ترین مقام حاصل کر سکتا ہے۔ استقامت اور مجاہدہ تو اسے وِلایت کی حدود میں داخل کر سکتے ہیں اور اللہ کے کرم سے متقی اور عبدِ صالح کا لقب بھی کما سکتا ہے مگر نبوت خزانۂ خدا کا وہ انمول موتی ہے جسے وہ خود اُن اَرواح کے سپرد فرماتا ہے جنہیں خاص مقاصد کے لیے خصوصاً پیدا کرتا ہے۔

ہم نے دیکھا کہ ایک مشین کو بنانے والا اپنی بنائی مشین کو خوب جانتا ہے۔ ہم نے یہ بھی دیکھا کہ اگر ایک غیر معین شخص اسے چلانے کی کوشش کرتا ہے تو وہ یقیناً اسے نقصان پہنچائے گا، شاید اسے تباہ بھی کر بیٹھے گا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے تعلیم وتربیتِ انسانیت کے کام کو خاص انداز اور اس کی جسمانی ورُوحانی مشینری کو احکامِ الٰہیہ کے ذریعے بااہتمام چلانے اور خود ان پر عمل کر کے نمونہ بہم پہنچا کر پورا کرنے کے لیے گروہِ انبیا کو پیدا فرمایا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ انبیا ورُسل کو ہر دور میں خالقِ کائنات کے قوانین کو بنی نوع انسان تک پہنچانے کے مقصدِ وحید کی خاطر بھیجا گیا تاکہ انبیا کی تربیت گاہ میں تربیت پا کر وہ اپنے جسم نامی کو عادلانہ کردار اور باقاعدہ چلانے کے لیے نظریاتی اور عملی معلومات کو قبول کر سکیں۔

ماضی کے تمام واقعات جنہیں تاریخ ہمارے سامنے رکھتی ہے کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ تمام اَدوار میں اور تمام اَقوام میں کچھ اَفراد کو قائد اور مصلح مانا گیا ہے اور یہ کہ انہوں نے اپنے لوگوں کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیا۔ اُن میں سے بعض نے منطق، فلسفہ اور سائنس میں مطالعے اور جستجو کے ذریعے ماہر بننے کے بعد کچھ کاموں کی راستی اور خوبیوں کو پہچانا اور لوگوں کی توجہ اُن کی طرف پھیر کر انہیں ان پر عمل کی ترغیب دلائی جبکہ دوسری جانب کچھ دوسرے کاموں کی بُرائیوں اور نقصان کو جان کر لوگوں کو اُن میں پڑنے سے متنبہ کیا اور ان کے لازمی بھیانک نتائج سے انہیں بچانے کی کوشش کی۔ یہ پروفیسر اور فلسفی، معلّم، مشیر یا رہنما کے طور پر مشہور ہیں اور یونانی مدرسین اور فلسفی اس نوع کے تحت آتے ہیں کیونکہ ان کی تعلیمات ان کی اپنی تحقیقات، جستجو اور سوچ وبچار کا نتیجہ تھیں اور انسانی ذہن کی پیداوار ہونے کی وجہ سے ان کا بے خطا ہونا نہیں مانا جا سکتا۔ لیکن بعض اشخاص منفرد کہکشاؤں کی

طرح ہیں یعنی انبیا و رُسل۔ جیسا کہ ہم ان کے بارے میں پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ وہ سیکولر اتالیقی سے محفوظ و مامون ہیں، انہیں کسی انسان یا مادّی منابع سے اپنی ذہنی، اخلاقی اور روحانی تنویر کے لیے کسی قسم کی تعلیم کی ضرورت نہیں ہے۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنے مقررہ وقت پر یکساں پیغام پہنچایا:

''اس دنیا کا خالق ایک ہے۔ ہم جو کچھ بھی کہہ رہے ہیں ہم تک اسی کی جانب سے پہنچا ہے اس لیے اس کے احکامات کے آگے سرِ تسلیم خم کر دو''۔

ہمارے سابقہ لیکچر میں جب ہم کسی پیغمبر کی صفات اور شروط سے بحث کر رہے تھے میں نے کہا تھا کہ بنی نوع انسان بھی کشف و وِجدان کی صلاحیت رکھتے ہیں جو پیغمبروں میں زیادہ ترقی یافتہ حالت میں پائی جاتی ہے۔ علمائے علمِ افعال الاعضا کشف و وجدان کی اس صلاحیت کو دماغ کے ساتھ جوڑتے ہیں۔ وہ خوابوں کی وضاحت بھی اس طریقے سے کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس طرح بعض اوقات ہم حالتِ بیداری میں اپنے خیالوں میں ایسے گم ہو جاتے ہیں اور سوچوں میں منہمک ہو جاتے ہیں کہ اپنے گرد و پیش کو بُھول جاتے ہیں۔ اسی طرح اپنی نیند کے دوران خوابوں میں بھی ہم اپنے جسمانی اعضا کے بغیر دیکھ اور سُن بھی سکتے ہیں لیکن اگر علمائے علمِ افعال الاعضا کی یہ توضیح ہے اور اگر خواب صرف ہمارے اپنے ہی دماغ کے کام ہیں تو پھر یہ کیسے ہو جاتا ہے کہ ہم بعض اوقات جن واقعات کو خواب میں دیکھتے ہیں وہ حقیقۃً ہماری زندگیوں میں کئی سالوں بعد بھی رونما ہو جاتے ہیں۔ ہم غیب کی چیزوں کو کیسے جان سکتے ہیں؟ اپنی آنکھوں سے ہم پوشیدہ اشیا کو کیسے دیکھ سکتے ہیں؟ علمِ نجوم اور علمِ فلکیات کے ماہرین نے مستقبل کو جان لینے کی بڑی کوشش کی ہے مگر وہ کامیاب نہیں ہو سکے۔

ہم خوابوں میں بعض اوقات دیکھتے، مشاہدہ کرتے، سنتے اور باتیں کرتے ہیں حالانکہ ہمارا جسم اس وقت کام نہیں کر رہا ہوتا۔ لاشعوری کی حالت کی بجائے ہم اپنے خوابوں میں ان امور کے بارے میں شعوری حالت میں ہوتے ہیں جو ہم کرتے اور کہتے ہیں۔ اسی طرح ان چیزوں سے بھی جو ہمارے ساتھ کی جاتی ہیں یا کہی جاتی ہیں۔ قرآن مجید کی سورۃ یوسف میں ہم پڑھتے ہیں: وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَىٰ سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ

وَّسَبۡعَ سُنۡۢبُلٰتٍ خُضۡرٍ وَّ اُخَرَ یٰبِسٰتٍ ؕ یٰۤاَیُّهَا الۡمَلَاُ اَفۡتُوۡنِیۡ فِیۡ رُءۡیَایَ اِنۡ كُنۡتُمۡ لِلرُّءۡیَا تَعۡبُرُوۡنَ O قَالُوۡۤا اَضۡغَاثُ اَحۡلَامٍ وَمَا نَحۡنُ بِتَاۡوِیۡلِ الۡاَحۡلَامِ بِعٰلِمِیۡنَ O وَقَالَ الَّذِیۡ نَجَا مِنۡهُمَا وَادَّكَرَ بَعۡدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمۡ بِتَاۡوِیۡلِهٖ فَاَرۡسِلُوۡنِ O یُوۡسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیۡقُ اَفۡتِنَا فِیۡ سَبۡعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاۡكُلُهُنَّ سَبۡعٌ عِجَافٌ وَّسَبۡعِ سُنۡۢبُلٰتٍ خُضۡرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ لَّعَلِّیۡۤ اَرۡجِعُ اِلَی النَّاسِ لَعَلَّهُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ O قَالَ تَزۡرَعُوۡنَ سَبۡعَ سِنِیۡنَ دَاَبًا فَمَا حَصَدۡتُّمۡ فَذَرُوۡهُ فِیۡ سُنۡۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِیۡلًا مِّمَّا تَاۡكُلُوۡنَ O ثُمَّ یَاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ سَبۡعٌ شِدَادٌ یَّاۡكُلۡنَ مَا قَدَّمۡتُمۡ لَهُنَّ اِلَّا قَلِیۡلًا مِّمَّا تُحۡصِنُوۡنَ O ثُمَّ یَاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِیۡهِ یُغَاثُ النَّاسُ وَفِیۡهِ یَعۡصِرُوۡنَ O (سورۃ یوسف: ۴۳۔۴۹)

ترجمہ: ''اور بادشاہ نے کہا مَیں نے خواب میں دیکھیں سات گائیں فربہ کہ انہیں سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات بالیں ہری اور دوسری سات سوکھی اے دربار یو میری خواب کا جواب دو اگر تمہیں خواب کی تعبیر آتی ہو بولے پریشان خوابیں ہیں اور ہم خواب کی تعبیر نہیں جانتے اور بولا وہ جواُن دونوں میں سے بچا تھا اور ایک مدت بعد اُسے یاد آیا مَیں تمہیں اس کی تعبیر بتاؤں گا مجھے بھیجو اَے یوسف اَے صدیق ہمیں تعبیر دیجیے سات فربہ گایوں کی جنہیں سات دبلی کھاتی ہیں اور سات ہری بالیں اور دوسری سات سوکھی شاید میں لوگوں کی طرف لوٹ کر جاؤں شاید وہ آگاہ ہوں، کہا تم کھیتی کرو گے سات برس لگا تار تو جو کاٹو اسے اس کی بال میں رہنے دو مگر تھوڑا جتنا کھا لو پھر اس کے بعد سات کرّے برس آئیں گے کہ کھا جائیں گے جو تم نے ان کے لیے پہلے جمع کر رکھا تھا مگر تھوڑا جو بچا لو پھر ان کے بعد ایک برس آئے گا جس میں لوگوں کو مینھ دیا جائے گا اور اس میں رس نچوڑیں گے''۔

خوابوں کی حقیقت سے متعلق ایک وضاحت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''احیا علوم الدین'' اور دوسری کتابوں میں ہمیں یوں ملتی ہے: ''لاشعوری کی حالت میں ہمارا چلے جانا جسے ہم نیند کہتے ہیں بتدریج ہوتا ہے اور یہ کچھ وقت لیتا ہے۔ ہم پر گہری نیند کے آنے سے پہلے کچھ وقت کے دوران ہمارا دماغ ابھی کام کر رہا ہوتا ہے اور وہ خیال جو ہمیں اس

وقت آتے ہیں انہیں قرآن مجید کے الفاظ میں ''اضغاث احلام'' (سورۃ ۱۲: ۴۴) یعنی پریشان خوابیں کہا جاسکتا ہے۔ لیکن جب ہم گہری نیند میں ہوتے ہیں اور لاشعوری کی حالت کو پہنچ جاتے ہیں تو اس وقت جو خیالات آتے ہیں وہ مختلف ہوتے ہیں۔ وہ مادّی نہیں ہوتے، وہ ہمارے دماغ کی پیداوار نہیں ہوتے بلکہ ان کا تعلق غیر مادّی عالم سے ہوتا ہے۔ الڈوس ہکسلے (Aldous Huxley) کے مطابق ''ہر ایک انسان میں ایک چیز ہوتی ہے جسے ہم روح کہتے ہیں''۔ یہ روح کیا ہوتی ہے؟ قرآن مجید فرماتا ہے: ''وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّيْ''۔ (سورۃ بنی اسرائیل: ۸۵)

ترجمہ: ''اور تم سے روح کو پوچھتے ہیں تم فرماؤ روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے''۔

قادرِ مُطلَق اس مادّی عالم کے تین جہات سے وراء ہے، اس کا کوئی مادّی جسم یا شکل نہیں ہے۔ اس لیے اس کے احکام کی بھی کوئی شکل نہیں، کوئی حد نہیں اور کوئی جہت نہیں۔ یہ روح نہ صرف انسانوں میں ہوتی ہے بلکہ حیوانات، نباتات اور جمادات میں بھی ہوتی ہے۔ سائنس نے صرف حال ہی دریافت کیا ہے کہ حیوانات میں بھی روح ہوتی ہے جبکہ وہ ابھی تک یہ نہیں جان سکے کہ نباتات اور جمادات میں بھی روح ہوتی ہے۔ اِسلام نے اِس حقیقت پر زور دیا ہے کہ تمام اشیا میں زندگی اور روح پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ۔۔۔ (سورۃ الذٰریٰت: ۴۹) ترجمہ: ''اور ہم نے ہر چیز کے دو جوڑے بنائے''۔

زوج کی یہ صفت تمام مخلوق میں پائی جاتی ہے چاہے وہ انسان ہوں، حیوان ہوں، نباتات ہوں یا دوسری چیزیں جن کا ہمیں علم نہیں۔ پھر یہ کہ فطرت میں متضاد قوتوں کے بھی جوڑے پائے جاتے ہیں مثلاً بجلی کا مثبت اور منفی چارج۔ خود ایٹم مثبت چارج والے نیوکلئس یا پروٹانوں پر مشتمل ہوتا ہے جن کے گرد منفی چارج والے الیکٹران ہوتے ہیں اپنے چھتے کے گرداگرد اُڑنے والی مکھیوں کی طرح۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ۔۔۔ (سورۃ النحل: ۴۹)

ترجمہ: اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں''۔

اس لیے تمام اشیا میں زندگی لازمی ہونی چاہیے کیونکہ صرف اسی صورت میں وہ سجدہ کرسکتی ہیں۔ جدید سائنس نے بھی اِنکشاف کیا ہے کہ بے جان مادّہ بھی ایسے پروٹانوں پر مشتمل ہوتا ہے جس کے گرد الیکٹران گردش کرتے ہیں۔ جہاں حرکت ہے وہاں زندگی کا ہونا واجب ہے۔ ہمارے مادّی علم کا ناقص ہونا لازمی امر ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: وَمَآ أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا۔ (سورۃ بنی اسرائیل: ۸۵) ترجمہ: ''اور تمہیں علم نہ ملا مگر تھوڑا''۔

مادّی دُنیا کے علاوہ ایک رُوحانی دُنیا بھی ہے۔ اسلامی علوم میں یہ روحانی دُنیا عالَمِ مثال، عالَمِ اَرواح اور عالَمِ برزخ بھی کہلاتی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ O بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ۔ (سورۃ الرحمن: ۱۹۔۲۰)

ترجمہ: ''اس نے دو سمندر بہائے کہ دیکھنے میں معلوم ہوں ملے ہوئے اور ہے ان میں روک کہ ایک دوسرے پر بڑھ نہیں سکتا''۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ وضاحت فرماتے ہیں کہ اس عالَمِ برزخ میں تمام ارواح کا عکس ہے جو مادّی دُنیا میں ہیں اور اصلی روحیں جو ظاہر ہو چکی ہیں یا اس میں ظاہر ہوں گی۔ یہ اَرواح اللہ تعالیٰ کے احکام کا ظہور ہیں۔ ہم اپنی ارواح کی وجہ ہی سے دیکھ، سُن اور بول سکتے ہیں۔ اگر ہم مَر جائیں یعنی اگر روح ہمارے جسم سے نکل جائے تو ہم دیکھ نہیں سکتے اگرچہ آنکھیں اب بھی ہمارے پاس موجود ہوتی ہیں، ہم کوئی بات سُن نہیں سکتے اگرچہ کان ہمارے ساتھ موجود ہوتے ہیں اور ہم کوئی لفظ بول نہیں سکتے اگرچہ زبان ہمارے ساتھ ہوتی ہے۔ جب ہم گہری نیند میں ہوتے ہیں تو ہماری اَرواح کام نہیں کر رہی ہوتیں اور وہ اپنے گھر یعنی رُوحانی دُنیا کی طرف مائل ہو رہی ہوتی ہیں تو وہ دیکھنا اور مشاہدہ کرنا شروع کر دیتی ہیں۔ یہ مشاہدات کسی وقت تو ہم پر صاف اور واضح ہوتے ہیں اور کسی وقت نہیں۔ اَیسا کیوں ہوتا ہے؟ بالکل اسی طرح کہ اگر آئینہ صاف ستھرا ہے تو اس میں عکس بھی واضح ہوتے ہیں اور اگر یہ صاف نہیں ہے تو عکس بھی واضح نہیں ہوتا۔ بالکل اسی طرح جب ہم سوتے ہیں اگر ہمارے

آئینے صاف ہیں اور ہمارے دماغ روح کے لیے کوئی رُکاوٹ کھڑی نہیں کررہے ہے تو خواب صاف اور واضح ہوتے ہیں۔لیکن اگر ہمارے آئینے صاف نہیں ہیں اور اگر ہمارے دماغ روح کے لیے رُکاوٹ کھڑی کریں تو خواب صاف نہیں ہوتے۔ یہ ہماری اَرواح کے ذریعے ہی ممکن ہے کہ ہم ماضی، حال اور مستقبل کو خواب میں دیکھ سکتے ہیں اور ان کے وسیلے سے ہی ہم اپنے خوابوں میں صاف طور پر دیکھ سکنے کے لائق ہوتے ہیں۔

رُوحانی دُنیامیں ہماری ارواح کے مشاہدے میں دماغ کی رُکاوٹ کی وجہ سے ایسا ہوتاہے کہ بعض اَوقات ہمارے خواب معانی کے لحاظ سے اتنے واضح نہیں ہوتے۔تب ہمیں اُن کی تعبیر کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں یہاں ملکہ زبیدہ کے ایک خواب کی مثال دینا چاہوں گا۔اس نے خواب میں مختلف مما لک،نسلوں اور رنگوں کے بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اس کے ساتھ عملِ مجامعت کررہے ہیں۔اسے یہ خواب دیکھ کر بہت دُکھ پہنچا، وہ بہت شرمندہ ہوئی۔ایک دن اس نے اپنی ایک لونڈی کوامام ابن سیرین کے پاس بھیجا اور اسے ہدایت کی کہ وہ امام ابن سیرین کو یہ بتائے اسی لونڈی نے یہ خواب دیکھا ہے اور وہ اس کی تعبیر جاننا چاہتی ہے۔وہ لونڈی امام ابن سیرین سے ملی اور خواب بیان کیا۔خواب سُننے کے بعد امام ابن سیرین نے اس لڑکی کو کہا:''یہاں سے چلی جاؤ اور ایسے جھوٹ نہ بولو کیونکہ تم اتنی خوش نصیب نہیں ہو کہ اس جیسے خواب دیکھو''۔اس لیے وہ لونڈی زبیدہ کے پاس لوٹ آئی۔ زبیدہ نے اسے دوبارہ امام صاحب کے پاس بھیجا اور انہیں بتانے کے لیے کاغذ کے ٹکڑے پر اپنا نام لکھ دیا۔امام صاحب نے لونڈی کو بتایا کہ اسے جا کر کہو:''وہ ایسافیاّ ضانہ کام کرے گی کہ دُنیا کے تمام علاقوں کے لوگ آئیں گے اور اس کے اس سرچشمۂ خیر وخوبی سے اپنی ضرورت کی پیاس بجھائیں گے۔'' ایسا ہوا کہ زبیدہ نے اگلے سال حج ادا کیا۔اس نے ایک نہر کھدوائی اور جبلِ عرفات تک پانی پہنچانے کے لیے ندی بنوادی۔اس کا نام نہر زبیدہ پڑا جس سے ہر ملک کے لوگ اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔

خوابوں کی تعبیر اور ان کی اہمیت صرف وہ لوگ بتا سکتے ہیں جن کی قرآن مجید پر گہری نظر ہو اور جو صاحبِ بصیرت بھی ہوں۔وہ علما جو قرآنی علوم کے ماہر ہیں وہی خوابوں کی تعبیر

قرآنی تعلیمات کے مطابق بتا سکتے ہیں۔ اسی طرح اگر آپ کے خواب میں حاصل ہونے والا عکس صاف نہ بھی ہو تب بھی اصحابِ بصیرت اپنی روحانی آنکھوں سے اس کی تعبیر بتا سکتے ہیں کیونکہ وہ اس خواب کی تہہ تک پہنچ جاتے ہیں اور اس کا اصل مقصد سمجھ لیتے ہیں۔

مذکورہ بحث اب ہمیں وحی کے سوال پر لے آتی ہے۔ انبیا کیسے وحی کو وصول کرتے ہیں؟ ہم دیکھ آئے ہیں کہ کشف و وجدان کی صلاحیت جو تمام انسانوں میں پائی جاتی ہے وہ انبیا میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے۔ انبیا روحانی علوم میں ترقی یافتہ ہوتے ہیں اور وہ اپنی اَرواح کو کنٹرول کر لینے کے قابل ہوتے ہیں۔ یہ اُن کی روحانی صلاحیت کی طاقت ہوتی ہے جس کے ذریعے وہ احکاماتِ الٰہیہ کو وصول کر سکتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہلی وحی رؤیا صادقہ کی شکل میں تھی۔

روحانی دُنیا میں رسائی کی اس صلاحیت کی تربیت کی جا سکتی ہے اور اس طریقے سے ہمارے لیے مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والے یا ایک طویل فاصلے پر رونما ہونے والے واقعات کو جان لینا ممکن ہو سکتا ہے کیونکہ یہ صلاحیت زمان و مکان کی قیود سے ورا ہو جاتی ہے۔ خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے اشخاص ہوتے ہیں جو روحانی آنکھیں رکھتے ہیں۔ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار فرمایا تھا: لَوْ كَانَ بَعْدِيْ نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ۔ (سنن الترمذی، کتاب المناقب عن رسول اللہ، باب: فی مناقب عمر بن الخطاب) یعنی اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن خطاب ہوتے۔"

ایک بار عمر رضی اللہ عنہ نے عراق میں فوج بھیجی جس کے سالار کا نام حضرت ساریہ تھا۔ مسجد میں ایک خطبہ کے دوران حضرت عمر نے کہنا شروع کر دیا: اے ساریہ پہاڑ کی طرف ہو جاؤ۔ مسجد میں موجود لوگ حیران تھے اور انہوں نے اِس بات کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے جواب دیا: مَیں نے دیکھا کہ کفار نے ہمارے بھائیوں کو گھیرے میں لے لیا ہے جو ایک ایسے پہاڑ کے پاس تھے جہاں کفار چھپے ہوئے تھے۔ اس لیے مَیں نے ساریہ کو آواز دی کہ پہاڑ کی طرف توجہ کرو۔" بالکل ایسے جیسے ہم ریڈیو سنتے ہیں اور ایک فاصلے سے آواز سُن لیتے ہیں، جس طرح ہم اپنے ٹیلی ویژن کو چلاتے اور آواز سُن اور اسکرین پر تصویریں

دیکھ لیتے ہیں اسی طرح روحانی لہروں کو بھی سُن سکتے ہیں۔ان لہروں کی کوئی سمت نہیں ہوتی اس لیے ہم زمان ومکان کے ایک فاصلے سے سُن اور دیکھ سکتے ہیں۔

بعد میں جب فوج واپس آئی انہوں نے بتایا کہ ہم سب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز اس دن سُنی تھی اور پہاڑ پر موجود کفار پر حملہ کیا تھا اور اللہ نے ہمیں فتح دی تھی۔

اس طرح بعض لوگوں کے لیے اپنی روحانی آنکھوں اور کانوں سے دیکھنا اور سننا ممکن ہوتا ہے۔ یہ وہ صلاحیت ہوتی ہے جس سے روحانی لہروں اور پیغامات وصول ہو سکتے ہیں۔ یہ انبیا میں بدرجۂ اَولی اور اپنی کامل صورت میں موجود ہوتی ہے۔اسی سے وہ پیغاماتِ ربانی کو سُنا کرتے ہیں۔

جس طرح ہم ریڈیو چلا کر دور دراز سے ہمیں کہی جانے والی باتیں سُن سکتے ہیں، جس طرح ہم ٹیلی ویژن سیٹ کو چلا کر بعید سے آنے والی آوازوں کو سُن اور تصویروں کو دیکھ سکتے ہیں اور جو کچھ ہمیں کہا جا رہا ہوتا ہے اسے سمجھ لیتے ہیں اسی طرح ہم روحانی لہروں کو چلا کر جو کسی سمت اور جہت میں مقید نہیں ہوتیں سے ان واقعات کو دیکھ اور سُن سکتے ہیں جو بہت دور ماضی میں ہوئے تھے، حال میں ہو رہے ہوتے ہیں یا مستقبل میں ہوں گے۔

ہم حدیث میں پڑھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی کبھی بجتی گھنٹیوں کی آواز کی بازگشت لگتی تھی۔ہم یہ بھی پڑھتے ہیں کہ جب آپ کے پاس وحی آتی تھی تو آپ کا جسم اتنا بھاری ہو جاتا تھا کہ اونٹ بھی اس کا وزن برداشت نہیں کرسکتا تھا۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب بیٹھے ہوئے تھے آپ کی ایک ران مبارک ان کی ٹانگ پر رکھی تھی۔اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس وحی آ گئی۔حضرت عثمان کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنی ٹانگ پر اتنا بوجھ محسوس کیا کہ ڈرنے لگے کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی ہڈی ٹوٹ جائے۔

وحی وصول کرنے کے دوران انبیا روحانی لہروں کو وصول کر رہے ہوتے تھے۔انبیا کو جو وحی بھیجی جاتی اسے بعض اوقات کتاب کی صورت میں مدوّن کرلیا جاتا اور کبھی نہیں۔اس طرح ہمارے پاس رسول ہیں جنہوں نے اپنی تعلیمات کو کتابی شکل میں اپنے بعد نہیں چھوڑا

اور کچھ انبیا ایسے ہیں جنہوں نے اپنے پیغامات کو کتابی صورت میں بنا کر چھوڑا۔ انبیا کے شدید ترین دشمن بھی یہ نہیں کہا کرتے تھے کہ وہ اپنے ذہن سے بول رہے ہیں۔ وہ کہتے کہ وہ نبی ایک جادوگر ہے یا ایک مجنون ہے یا کوئی جن اسے یہ باتیں بتایا کرتا ہے۔ وہ یہ ماننے پر مجبور تھے کہ جو کچھ اُس نے کہا ہے وہ خود اس کی طرف سے نہیں ہے بلکہ کوئی روحانی ذات اسے سکھا رہی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی جادوگر ہونے کا الزام دیا گیا۔ جادو ہوتا کیا ہے؟ کچھ لوگوں میں دوسروں کو اپنی طرف کھینچ لینے کی مقناطیسی قوت حاصل ہوتی ہے۔ مثال کے طور انبیا کے پاس روحانی کشش تھی جس کے ذریعے وہ اپنے قریب آنے والوں کو اپنا بنا لیتے تھے۔ یہ روحانی کشش ہوتی ہے جس کی وجہ سے نیک روحیں دوسری نیک روحوں کو جذب کر لیتی ہیں اور بُری اَرواح بُری ارواح کو۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی اللہ کے قریب ہوتا ہے اور اس کا پیارا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ، جبریل کو فرماتا ہے میں فلاں سے محبت کرتا ہوں۔ لوگوں کے دلوں میں بات ڈال دو کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ فرشتوں کے اس الہام کے بعد لوگ اس شخص سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں۔

ہم مسلمانوں کا اِیمان ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں اور یہ کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کے مستند اور مکمل پیغام کا حامل ہے۔ جب ایک بار میں ملایا (Malaya) سے سیلون (Ceylon) کا سفر کر رہا تھا جہاز پر میری ملاقات ایک امریکی سے ہوئی جس نے مجھے اسی نکتے پر چیلنج کیا۔ اس نے مجھے کہا: ''تم دعویٰ کرتے ہو کہ محمد آخری نبی ہے اور یہ کہ قرآن آخری کتاب ہے'' اگر یہ سچ ہے تو اللہ نے محمد کو اپنے پیغام کے ساتھ اس دُنیا کے آغاز ہی میں کیوں نہ مبعوث کیا؟ کیا یہ بات یقینی نہیں کہ اگر اللہ ایسا کر دیتا تو ہم اتنے زیادہ ادیان جن میں سے ہر ایک اپنے سچا ہونے کا مدعی ہے کے بکھیڑوں سے بچ نہ جاتے؟ مَیں نے اسے کہا کہ کیا تمہیں اسکول میں اپنا بچپن کا زمانہ یاد ہے جب تم بھی دوسروں کی طرح اپنی کتابیں پھاڑ دیا کرتے تھے؟ پھر مَیں نے اسے کہا کیا تمہیں وہ دن یاد ہیں جب تم سیکنڈری اسکول کے ایک طالب علم کی حیثیت سے نصابی کتابوں سے خود نوٹس بنا کر یاد کیا کرتے تھے؟ اس نے میرے ساتھ اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ یہ صرف یونیورسٹی کے دن

تھے اور اس کے بعد بھی جب میں نے کتابوں کو محفوظ کرنا سیکھا۔ یہی طریقہ جسے ہم اپنی اور دوسرے مردوں اور عورتوں کی زندگیوں میں دیکھتے ہیں انسانیت کی زندگی میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ اپنے بچپن میں انسانیت وحی الٰہی کی کتب کی اہمیت کا ادراک نہیں کر سکتی تھی؛ جب انسانیت جوان ہوئی اُس نے عطا کردہ کتب سے نوٹس بنائے؛ اور یہ جب پختہ ذہنی کی عمر کو پہنچی تو صرف اس وقت کتاب اللہ کی قیمت جان پائی۔ یہی وجہ ہے ہم دیکھتے ہیں کہ ابتدائی انبیا کی کتب محفوظ نہیں رکھی گئیں۔ جب حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام آئے تو لوگوں نے ان کے اقوال سے نوٹس بنائے اور قرآن مجید صرف اس وقت نازل کیا گیا جب لوگوں نے عطا کی جانے والی کتاب کی اہمیت کو جان لیا تھا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ O (سورۃ الحجر: ۹)

ترجمہ: ''بیشک ہم نے اُتارا ہے یہ قرآن اور بیشک ہم خود اس کے نگہبان ہیں''۔

اللہ اپنا کام اپنے خاص خُدام کے ہاتھوں کرواتا ہے اور اگر قرآن مجید محفوظ ہے تو یہ اللہ کے بندوں ہم انسانوں کے ذریعے سے محفوظ ہے۔ چونکہ تمام قوانینِ الٰہیہ قادرِ مُطلق اللہ کے دیئے ہوتے ہیں جو کہ واحد ہے اس لیے مختلف انبیا کو دیئے گئے پیغام میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ تمام انبیا و رُسل ایک ہی پیغام لاتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ أُنْزِلَ عَلٰٓى إِبْرٰهِيْمَ وَإِسْمٰعِيْلَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَآ أُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ O (سورۃ آل عمران: ۸۴)

ترجمہ: ''یوں کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہماری طرف اُترا اور جو اُترا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کے بیٹوں پر اور جو کچھ ملا موسیٰ اور عیسیٰ اور انبیا کو ان کے رب سے ہم ان میں کسی پر ایمان میں فرق نہیں کرتے اور ہم اسی کے حضور گردن جھکائے ہیں''۔

دُنیا کی تاریخ اس حقیقت کی تصدیق کرتی ہے کہ حضراتِ آدم، نوح، ابراہیم علیہم السلام نے یکساں پیغام پہنچایا اور اپنے اپنے دائرۂ اثر میں آنے والے لوگوں کو ایک جیسی تعلیم

دی۔ جب فرعون خدائی طاقت اور اختیار کا دعویٰ کر رہا تھا اور بیچارے اسرائیلیوں پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھا رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اولوالعزم رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا جنہوں نے اسے اس کی انانیت، تکبر اور غرور کے انجامِ بد سے خبردار کیا اور اسے اسرائیلیوں کو اذیتیں دینے اور مصیبتوں میں ڈالنے سے اجتناب کر کے خدائے وحدہ لاشریک کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے اور سر بسجود ہونے کا حکم دیا۔ اسرائیلیوں نے وفادار رہنے کی قسم کھائی تو ان کی ہدایت کے لیے پیغمبرِ خدا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دور کی ضرورت کے مطابق پیغام الٰہی ان کے حوالے کیا۔

جتنا عرصہ اسرائیلیوں نے اللہ کے ساتھ اپنے میثاق کی پابندی کی، توراۃ کے احکامات کی پیروی کی اور اسے اصل صورت میں محفوظ رکھنے کی ذمہ داری نبھائی اتنا عرصہ نہ کسی تازہ پیغام کی اور نہ ہی کسی رسول کی ضرورت پیش آئی؛ مگر جب توراۃ یا احکام عشرۃ والی مشہور الواح کا صندوق اس طرح چھپا دیا گیا کہ وقت کے ساتھ ساتھ ان کی تعلیمات کم وبیش تحریف کا شکار ہوگئیں اور لوگوں کی مختصر سی تعداد کے پاس محدود ہوگئیں جو اپنی اغراضِ فاسدہ کی تکمیل کی خاطر ان میں ترمیم کر لینے کو بُرا نہ سمجھتی تھی تو ایک اور ایسے نبی کی آمد امرِ ناگزیر بن گئی جو لوگوں کو اس قدیم کتاب کی تعلیم یاد دلائے اور اصلی تعلیمات کی بازیافت کرے۔

اس لیے حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام اسرائیلیوں کی طرف بھیجے گئے جب وہ جذبات ونفسانی خواہشات کی دَلدَل میں ڈوبے ہوئے تھے، مال وزر کی محبت اور عیش وعشرت کا ان پر اتنا غلبہ ہو چکا تھا کہ نہ صرف عوام بلکہ قائدین اور پڑھے لکھے یہودی علما (Rabbis) بھی قوانینِ الٰہی کی خلاف ورزی کرنے سے ہچکچاتے نہیں تھے حتیٰ کہ انہیں مذموم مقاصد کے حصول کے لیے تبدیل بھی کر دیا کرتے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے مختصر دورِ نبوت میں سچائی کے اظہار اور لوگوں کی صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کے مشن کو پورا کرنے کے لیے جن اذیتیوں اور مصیبتوں کو جھیلنا پڑا اور آپ کو جو قربانیاں دینی پڑیں وہ اتنی مشہور ہیں کہ یہاں ان کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں مگر آپ کی تعلیمات ایک مدت کے بعد بُھلا دی گئیں اور آپ کی تعلیمات کا اصلی ریکارڈ

ضائع کر دیا گیا۔اس لیے اللہ کے لیے ہمارے نبی محمد ﷺ کو بھیجنا ضروری ہو گیا تا کہ آپ اللہ کی سچی ہدایات کو پوری دنیا کے لوگوں تک پہنچائیں۔حضرت محمد ﷺ کی آمد سے اللہ کا پیغام اپنی کامل صورت میں قرآن مجید کی شکل میں عطا کیا گیا۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:۔۔۔اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا۔۔۔(سورۃ المائدۃ:۴)

ترجمہ:''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا''۔

اس طرح ہم نے دیکھا کہ جب بھی ہدایت مفقود ہوتی اور احکاماتِ الٰہیہ پر مشتمل کوئی مستند کتاب نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر بھیجتا لیکن جونہی قرآن مجید کا نزول ہوا اور یہ کتاب اپنی اصل مستند شکل میں محفوظ ہو گئی اللہ کے لیے کوئی مزید نبی بھیجنا ضروری نہیں رہا۔یہی وجہ ہے کہ ہمارے نبی محمد ﷺ آخری نبی ہیں اور قرآن مجید آخری منزّل کتاب ہے۔

ہم نے دیکھا کہ تبلیغِ اسلام کے لیے ہمیں ان لوگوں کی ذہنیت کو سمجھنا چاہیے جنہیں ہم مخاطب کرنے جارہے ہیں۔ان اسباق میں مجھے بھی اپنے سامعین کی صلاحیت پر غور کرنا اور جاننا ہو گا اس لیے میں زیر بحث موضوع کو سمجھانے کے لیے اسے مختلف مراحل میں تقسیم کرنا چاہوں گا۔اسلامی علوم کا میدان بہت وسیع ہے۔وہ علم جسے ہم وقتاً فوقتاً حاصل کرتے ہیں اسے ان موتیوں کی طرح سمجھا جا سکتا ہے جنہیں سمندر کی گہرائیوں سے نکالا جاتا ہے لیکن علومِ اسلامی کے جہان سے جمع کرنے کے لیے لاتعداد جواہرات موجود ہیں۔

نبی کریم ﷺ کے صحابی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں سورۃ الفاتحہ کی تفسیر لکھوں تو میری لکھی کتابوں کو اُٹھانے کے لیے سینکڑوں اونٹ درکار ہوں گے اس کے باوجود بھی تفسیر مکمل نہیں ہو گی۔

خالق اور اس کے احکامات کا موضوع غیر محدود ہے اور اسی لیے ان سے متعلق علم بھی غیر محدود ہے۔آئیں ایک اجنبی کی مثال لیتے ہیں جو کسی گھر میں داخل ہوتا ہے۔اسے خوراک، کپڑوں، سونے کے لیے بستر وغیرہ جیسی کئی چیزوں کی ضرورت ہو گی۔فطری طور پر

وہ ان چیزوں کو گھر کے مالک سے جاننے کی کوشش کرے گا جو ان ضروریات کو اس کے لیے مہیا کر سکتا ہے۔اس کے ذہن میں مالکِ مکان کی ملکیت میں داخل اشیا کے خصائص بھی معلوم کرے گا تا کہ اگر کوئی اور شخص آ کر مالکِ مکان ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ جان سکے کہ کیا وہ واقعی مالکِ مکان ہے یا نہیں۔

بالکل اِسی طرح ہم اس دنیا میں خود کو ایک اجنبی سمجھ سکتے ہیں۔ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ اس دنیا کا مالک کون ہے اور یہ جاننے کے لیے کہ کون مالک ہے ہمیں مطمئن ہونا پڑے گا کہ مالک کی صفات کیا ہونی چاہئیں اور کیا کوئی ایسا ہے جو اِن صفات سے متصف ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہم نے اس کائنات کے مالک کی صفات سے بحث کی ہے۔ہم نے دیکھا وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ہم نے مالکِ کائنات کے پیغمبروں کی صفات سے بھی بحث کی ہے جو اس کا پیغام ہم تک پہنچانے کے لیے بھیجے جاتے تھے۔اس کے بعد ہم نے ان خصوصیات سے بحث کرنی ہے جو مالک کے احکامات میں ہونی چاہئیں۔

اگر ہم کسی ملک کے قوانین کو جاننا چاہتے ہیں مثلاً سنگاپور کے قانون کو تو ہم فطری طور پر احکامات اور فرامین کو دیکھیں گے۔اگر کوئی شخص ایک کتاب لے آتا ہے جس کے بارے میں وہ کہتا ہے کہ یہ مُلک کے قوانین پر مشتمل ہے تو ہمیں اس کتاب کا جائزہ لینا اور یہ معلوم کرنا ہو گا کہ کیا اُس کتاب میں مندرج قوانین اس شخص نے خود آپ گھڑے ہیں یا وہ حقیقتاً مُلکی قوانین ہیں۔اگر وہ واقعی مُلکی قوانین ہیں تو وہ خود ظاہر کر دیں گے کہ وہ قانون کے مطابق وضع کیے گئے ہیں اور انہیں مجاز اتھارٹی نے شائع کیا ہے۔اگر ہم اسی دلیل کو قادرِ مطلق کے قوانین پر لاگو کریں تو ہمیں اللہ تعالیٰ کے قوانین کا پہلا بنیادی تقاضا یا مطالبہ پورا ہوتا نظر آئے گا یعنی کتاب یا قانون خود اعلان کرے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

r r r r

سبق نمبر تین

دوسرا تقاضا یہ ہے کہ قانونِ شریعت کو مستند ہونا چاہیے اور اس لیے ہمیں سوال کرنا چاہیے کہ یہ کیسے لایا گیا؟ یہ کیسے لکھا اور مرتب کیا گیا؟ ہمیں یہ بھی معلوم کرنا پڑے گا کہ وہ قانون یا قانون پر مشتمل کتاب ہمارے پاس کیسے پہنچی؟ کیا یہ ہمارے پاس اصل صورت میں پہنچی ہے یا اس میں ترمیمات اور تشریحات کو بھی داخل کیا گیا ہے؟ کیا یہ ترمیمات اور تشریحات انسانوں نے کی تھیں؟ ہمیں اس کا اطمینان کرنا پڑے گا کہ جو کچھ ہمارے حوالے کیا گیا ہے اس میں انسانوں کی تشریحات کی کوئی آمیزش نہیں بلکہ یہ انہی الفاظ کا ایک مستند ریکارڈ ہے جو اصل میں اللہ نے لکھوائے تھے۔

شریعتِ الٰہیہ کے لیے تیسری بنیادی شرط یہ ہے کہ یہ جامع ہو اور ہماری تمام ضرورتوں کو پورا کرتی ہو۔ اگر شریعت جامع نہیں اور ہماری تمام ضرورتوں کو پورا نہیں کرتی تو ہم اپنی زندگی کے سفر میں ایک کامل رہنما سے محروم ہوں گے۔

شریعتِ الٰہیہ کے لیے چوتھی بنیادی شرط یہ ہے کہ یہ قابل عمل ہو تا کہ اسے نافذ کیا جا سکے اور ہم اس کی پیروی کر سکیں۔ مزید برآں ہمیں یہ یقین دہانی کروائی گئی ہو کہ اگر ہم اس کے مطابق عمل کریں گے تو یقیناً کامیاب ہوں گے۔ اسی طرح ہمیں یہ معلوم کرنا پڑے گا کہ وہ لوگ جو کامیاب رہے ہیں کیا انہیں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوا ہے؟

شریعتِ الٰہیہ کی بعض شروط اور اس کے لوازمات پر بحث کر لینے کے بعد اب ہم اُن شریعتوں کا جائزہ لینے کے قابل ہو گئے ہیں جو ہماری زندگی کے سفر میں ہمارا رہنما ہونے کا دعویٰ کرتی ہیں۔ آج ہمیں ادیان اور مذہبی قوانین کی ایک اچھی خاصی تعداد ملتی ہے جن کے پیروکار یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ہماری زندگی کے سفر میں سچے رہنما ہیں اور یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سچے احکامات ہیں۔ بعض ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو کہتے ہیں کہ دنیا میں بہت سے ادیان پائے جاتے ہیں اور ہر ایک سچا ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس لیے ہمیں اُن سب کو رَدّ

کر دینا چاہیے۔ یہ نظریہ احمقانہ ہے۔ اگر ایک شخص کسی مارکیٹ میں گوشت خریدنے کی نیت سے جائے اور وہاں کئی گوشت فروخت کرنے والے ہوں جن میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے کہ صرف اسی کا گوشت تازہ ہے تو یہ یقینی بات ہے کہ گوشت کا خریدار شخص ان تمام گوشتوں کا جائزہ لینے کی کوشش کرے گا اور یہ معلوم کرلے گا کہ کون سا گوشت حقیقتاً تازہ ہے۔ بالکل اسی طرح ہمیں بھی مختلف ادیان کا جائزہ لینا چاہیے اور معلوم کرنا چاہیے کہ ان میں سے کونسا ان شروط اور معیار پر پورا اُترتا ہے جو ہم نے قائم کیے ہیں تاکہ وہ خود کو اللہ تعالیٰ ہی کے احکامات ثابت کر سکے۔

ہم آغاز ہندومت سے کرتے ہیں کیونکہ ہندو دعویٰ کرتے ہیں کہ اُن کا دَھرم زمانہ ماقبل اَز تاریخ سے ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان کا دَھرم ہندوستان میں کسی تاریخ کے وجود سے بھی پہلے پایا جاتا تھا۔ آیئے ہم اس دعویٰ کا جائزہ لیتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ ہندوستان کے اصل باشندے دراوِڑ (Dravidians) ہیں جن کی نسلیں جنوبی ہند میں پائی جاتی ہیں۔ اگر ہم آج کے دراوِڑوں کو دیکھیں تو ہمیں پتا چلے گا کہ اُن کے پاس نہ تو کوئی دَھرم ہے اور نہ کوئی کتابیں اور یہ بھی کہ وہ اَن پڑھ ہیں۔ ہندوستان میں معلوم اَوّلین ثقافت آریاؤں کی ثقافت ہے اور آریا مشرق وسطیٰ سے آئے تھے۔

آیئے اپنے مقرر کردہ معیار پر ویدوں کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ کیا وہ آسمانی کتابیں ہیں جیسا کہ ان کے متعلق دعویٰ کیا جاتا ہے۔ سب سے پہلے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ کوئی پنڈت بھی یہ نہیں دکھا سکتا کہ خود ویدیں آسمانی کتاب ہونے کا دعویٰ کرتی ہیں۔ ویدوں کی تاریخ یقینی طور پر معلوم نہیں۔ داستانوں اور قصوں کے مطابق یہ مہادیو کے منہ سے نکلی ہیں لیکن ان کا کوئی مستند ریکارڈ موجود نہیں کہ کب اور کیسے یہ نازل ہوئیں؟ اور اصل ریکارڈ کو کہاں اور کیسے محفوظ کیا گیا؟ تاریخ بتاتی ہے کہ آریاؤں کی کتابیں مہابھارت میں تباہ ہوگئیں تھیں اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر کوئی اصل تھی تو وہ تباہ ہو چکی ہے۔ اس لیے ہمارے پاس کوئی ریکارڈ نہیں کہ ویدیں نازل کی گئی اصل کتابیں ہیں۔ اگر ہم ویدوں کے مندرجات پر نظر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدا کی بعض صفات کی وضاحت ضرور کرتی ہیں۔

ویدیں ایک ایسی ذات کا ذکر کرتی ہیں جو غیر مقید ہے، اسے کسی نے پیدا نہیں کیا، وہ آنکھوں سے نظر نہیں آتی اور وہ اس بات پر زور دیتی ہیں کہ خدا ہے لیکن ان تعلیمات کے پیروکاروں نے ان کی تشریح ایسی کی ہے کہ خدائیت کئی حیوانوں اور چیزوں کو بھی مل گئی ہے۔ شنٹوازم (Shintoism) کی طرح ہندومت نے بھی کئی چیزوں کو خدائیت دے دی ہے کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کے پیروکار خدا کے سوا ہر چیز کی پوجا کرتے ہیں۔ ویدوں میں کہانیاں، غیر حقیقی داستانیں اور بے بنیاد واقعات ہیں۔ ہندو قانون کی اساس ایسے ضوابط ہیں جنہیں منو (Mano) نے مدوّن کیا تھا جو ایک پڑھا لکھا قانون دان اور اسکالر تھا اس لیے اس کے متعلق ایک نبی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ اس طرح ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں:

(۱) ویدیں خود آسمانی کتابیں ہونے کا دعویٰ نہیں کرتیں،

(۲) کہ ہمارے پاس ان کے مستند ہونے کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ہے اور یہ کہ ان کے متبعین نے اپنی تشریحات ان میں ڈالی ہوئی ہیں۔

(۳) کہ ان کی تعلیمات جامع اور قابلِ عمل نہیں ہیں کیونکہ ان میں ایسے قوانین نہیں ہیں جن پر زندگی گذارنے کے لیے بطور رہنما عمل کیا جا سکے۔

دوسرے نمبر پر بدھ مت کو ہم زیر غور لائیں گے۔ بدھ مت خالق کائنات کے بارے میں انتہائی کم معلومات مہیا کرتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ گوتم بدھ کو کسی جگہ سے حکمت حاصل ہونے کی توقع تھی اور یہ کہ زِینیا مکتبۂ فکر (Zenia School) ایک عظیم اَن دیکھی اور غیر مولود ذات کے بارے میں ضرور کچھ معلومات پیش کرتا ہے مگر یہ مکتبۂ فکر بھی کہتا ہے کہ کیونکہ وہ اس حقیقت کے بارے میں کچھ نہیں جانتے اس لیے انہیں اس کے بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے پاس یہ دکھانے کے لیے کوئی مستند ریکارڈ موجود نہیں کہ گوتم بدھ کو کوئی وحی آئی تھی اور اس کا بھی کوئی ریکارڈ نہیں کہ خود اس نے کیا کہا تھا۔ ہمارے پاس کچھ اصول وضوابط ہیں جن کے متعلق دعویٰ کیا جاتا ہے کہ انہیں اشوکا (Ashoka) سے لیا گیا ہے۔ بدھ مت ہمیں اپنے جذبات اور خواہشات کو دبا اور کچل کر اپنے اندر روح کے تزکیے کا سبق سکھاتا ہے۔ یہ پانچ منہیات کا ذکر کرتا ہے: کسی غیر ضروری کو قتل نہ کریں؛ جو چیز ہماری

نہیں اسے چوری نہ کریں؛ نشہ آور چیزوں کا استعمال نہ کریں کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم بے قابو ہو کر غلط کام کر بیٹھیں؛ نقصان دہ نتائج کے خوف سے جھوٹ نہ بولیں؛ بدکار نہ بنیں۔ جوگیوں کے لیے پانچ مزید واجب امور ہیں: مقررہ اوقات کے علاوہ نہ کھائیں، ناچ، گانے اور تھیٹروں سے اجتناب کریں؛ کسی تزئین اور خوشبو کا استعمال نہ کریں؛ زمین پر بچھی چٹائی کے سوا کوئی بستر استعمال نہ کریں؛ اور سونا چاندی حاصل نہ کریں۔ اس طرح بدھ مت میں چند ایک اخلاقی ضابطے تو ہیں لیکن خالقِ کائنات کے متعلق یہ ہمیں کچھ نہیں سکھاتا۔

اپنے فلسفے کے ذریعے یہ اس دنیا میں ہماری زندگی کے لیے کوئی جامع ہدایت نہیں دے سکتا۔ ہمیں اس میں ایسے کسی پیغام کا کوئی ریکارڈ نہیں ملتا جسے اللہ سے حاصل کیا گیا ہو اور اس میں کوئی ایسی کتاب نہیں جسے دکھانے کے لیے مستند ثابت کیا جاسکے۔

اس کے بعد ہم کنفیوشس ازم (Confucianism) کی طرف آتے ہیں۔ یہاں ہمیں کچھ فلسفی ملتے ہیں جنہوں نے زندگی گذارنے کے لیے کچھ اصول تشکیل دینے کی کوشش کی ہے۔ اُن میں سے کوئی بھی خالقِ کائنات کے بارے میں بات نہیں کرتا اور نہ ہی کوئی اس رب سے کسی اِلہام کے حصول کا دعویٰ کرتا ہے اور نہ وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ اس خالق کا اِلہام کردہ ہے۔ ان فلسفیوں نے یہ سکھانے کے لیے کہ درست کیا ہے عقل اور منطق پر مبنی کچھ اصول تشکیل دیئے ہیں۔ چونکہ یہ علم انسانی ذہن پر مبنی ہے اس لیے یہ جامع نہیں ہوسکتا۔

اس کے بعد ہم نے جس مذہب کے متعلق بات کرنی ہے اس کے بارے میں یہ فرض کیا جاتا ہے کہ فارس (ایران) کے ایک باشندے زرتشت (Zarasthusa) نے اس کی تعلیم دی تھی۔ زرتشت کی جو تعلیمات پیش کی جاتی ہیں وہ ایک مردہ زبان میں لکھی ہیں یعنی ژند اور پرشند کی زبانیں۔ یہی ایران کی اصل زبانیں تھیں۔ علما کوشش کے باوجود ان زبانوں میں لکھی مکمل تعلیمات کو جاننے کے قابل نہیں ہوسکے۔ ہمارے پاس زرتشت کی زندگی کا کوئی ریکارڈ نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے ایک پیغمبر، خدا کا ایک رسول ہونے کا دعویٰ کیا تھا اور اس نے خدا کی کچھ صفات کا تذکرہ بھی کیا تھا۔ اس نے کہا کہ وہ تمام موجودات

جنہیں ہم دیکھتے ہیں، ہماری انفرادیت اور دوسری مختلف قسم کی چیزیں جنہیں ہم مختلف صفات سے متصف دیکھتے ہیں یہ سب خدائی وجود کی شبیہیں ہیں، خدا کی صفات کے پرتو ہیں، خدا کے نور کا عکس ہیں۔ بعد کے ادوار نے ان تعلیمات اور لفظ نور کی غلط تشریحات کیں۔ انہوں نے کہا کہ نور سے مراد سورج ہے اور آگ بھی۔ اس لیے انہوں نے آگ اور سورج کی پرستش کی۔ زرتشت کے پیروکار اس دنیا میں برائی کے وجود کے بارے میں بہت پریشان تھے۔ اگر اس کائنات کا خالق اچھا ہے تو پھر یہاں برائی کیوں پائی جاتی ہے۔ جب ان کے سامنے یہ سوال آیا تو انہوں نے جواب دیا کہ خدا دو ہیں۔ ایک آ زَرد (Azard) ہے جو نیکی کا خدا ہے اور دوسرا اَہرمن (Ahraman) ہے جو بُرائی کا خدا ہے۔ اس لیے ہمارا نتیجہ یہ ہے کہ

(۱) ہمیں زرتشت کی اصل تعلیمات کا ریکارڈ دستیاب نہیں ہے اور ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اس کے شاگردوں نے اپنی تشریحات کو اس کی تعلیمات پر فوقیت دی۔

(۲) یہ کہ ہمارے پاس زرتشت کی زندگی کا کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔ اس لیے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ ایک نبی تھا۔

(۳) یہ کہ نیکی اور برائی کے دو خداؤں میں ایمان ہمیں مطمئن نہیں کر سکتا کیونکہ ہمیں کامیابی کا یقین نہیں ہو سکتا کہ کیا ہم ایک کی فرمانبرداری کریں یا دوسرے کی۔

(۴) یہ کہ زرتشت کی تعلیمات مکمل صورت میں نہیں پائی جاتیں۔ اس لیے وہ ایک جامع ہدایت نہیں ہو سکتیں۔

r r r r

سبق نمبر چار

اس کے بعد اب ہم یہودیوں کی طرف آتے ہیں۔ بحیثیت مسلمان ہمارا ایمان ہے کہ یہودیوں کی طرف انبیا بھیجے گئے تھے لیکن آیئے ان تعلیمات کا جائزہ لیں جن پر یہودی عمل پیرا ہیں اور دیکھیں آیا کہ وہ ہمارے امتحان پر پورا اُترتی ہیں۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ کچھ نشانیاں ہیں جو واضح کرتی ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک نبی تھے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے پیغامات حاصل کیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے دورِ حکومت میں ظاہر ہوئے جو یہ دعویٰ کرتا تھا کہ وہ خدا ہے۔ آپ علیہ السلام قومِ بنی اسرائیل میں سے تھے جن کی اس وقت کوئی تہذیب وثقافت اور کوئی دین نہیں تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے ساتھ فرعون بہت بُرا سلوک کیا کرتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس تشریف لے گئے اور اس کی توجہ ایک اِلٰہ کی طرف مبذول کروائی۔ آپ نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ آپ کو اِلٰہ العٰلمین کی طرف سے وحی پہنچی ہے۔

کیا موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تعلیمات محفوظ ہیں؟ ہم پڑھتے ہیں کہ ان پر نازل ہونے والے احکام عشرہ کو اَلواح پر ریکارڈ کیا گیا تھا اور یہ بھی کہ ایک صحیفہ تھا جس میں آپ کو ملنے والی تعلیمات ریکارڈ تھیں۔ لیکن وہ اَلواح اور صحیفہ اب کہاں ہیں؟ اَلواح کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اَرضِ مقدس میں مدفون ہیں لیکن وہ نہیں مل پائیں۔ وہ صحیفہ بھی گُم ہو چکا ہے اور گبن (Gibbon) نے کہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے تین سَو سال بعد اسرائیلیوں کے پاس اصل کُتب موجود نہیں تھیں۔ ہم یہ پڑھتے ہیں کہ ایک غیر معروف شخص آیا اور کہا کہ اس کے پاس وہ گم شدہ کتاب ہے۔ جو کچھ وہ لایا اس کے مستند ہونے کا ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے اور ہمارے پاس اُس شخص کی زندگی کا بھی کوئی ریکارڈ نہیں۔ اب ہم کس طرح جان سکتے ہیں کہ یہ وہی اصل کتاب تھی۔ تاہم اُس کتاب کو بعض لوگوں نے قبول کرلیا جنہوں نے اس کا موازنہ نہ اپنی یادداشتوں سے کیا اور انہیں معلوم ہوا کہ اس کا کچھ

حصہ صحیح ہے اس لیے انہوں نے اسے لے لیا لیکن غیر معروف شخص کے ہاتھوں ملی اِس کتاب جو لازماً عبرانی میں لکھی ہوگی جو کہ اِس وقت ایک مُردہ زبان ہے کا اصل نسخہ بھی اب گُم ہے۔ لہٰذا ہم صرف یہی نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ آج ہمارے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کا کوئی مستند ریکارڈ موجود نہیں ہے۔ اصل تعلیمات میں ترمیمات کر کے ان کی ایسی تشریحات کی گئی ہیں جن کے بارے میں ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق کی گئی ہیں۔

مزید برآں اس مزعومہ اصل کتاب یا تعلیماتِ موسوی میں کسی جگہ یہ دعویٰ نہیں کیا گیا کہ یہ تمام بنی نوع انسان کے لیے بھیجی گئی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ آپ کو فرعون اور بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے پیغام کو فرعون نے اور نہ ہی اُس کی قوم نے قبول کیا اور ہم پڑھتے ہیں کہ انہیں غرق کر دیا گیا۔ موسیٰ علیہ السلام اور اسرائیلیوں نے مصر سے شام کی طرف ہجرت کی اور ہم دیکھتے ہیں کہ جتنا عرصہ اسرائیلیوں نے موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات پر عمل کیا کامیاب رہے لیکن چونکہ اب موسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیمات ضائع ہو چکی ہیں اس لیے وہ ان پر عمل کر ہی نہیں سکتے۔

اس کے بعد ہم نصرانیت (Christianity) کی طرف آتے ہیں۔ یہاں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام (Jesus Christ) کا پیغام صرف اسرائیلیوں کے لیے ہے۔ عیسائیوں (Christians) کو یہ اختیار نہیں کہ وہ دوسروں کی توجہ اپنے مذہب کی طرف مبذول کروائیں۔ جب خود عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ صرف اسرائیلیوں کی طرف بھیجے گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ایک عورت آپ کے پاس حاضر ہوئی اور آپ کو بپتسمہ دینے کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا: ''میں تمہیں کیسے بپتسمہ دے سکتا ہوں جبکہ تم بنی اسرائیل میں سے نہیں ہو۔ مَیں صرف بنی اسرائیل کی گُم شدہ بھیڑوں کو جمع کرنے آیا ہوں''۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعویٰ کیا تھا کہ آپ کو بحیثیت اللہ کا پیغمبر بھیجا گیا ہے اور یہ بھی کہ آپ جو کچھ فرما رہے ہیں وہ اللہ کی وحی پر مبنی ہے۔ اگر ہم آپ کی زندگی کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ ناخواندہ تھے آپ نے کسی آدمی سے تعلیم و تربیت

حاصل نہیں کی تھی۔آپ نے لوگوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کی طرف متوجہ کیا لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لایا ہوا سچا پیغام کہاں ہے؟

ہم دیکھتے ہیں کہ جو کچھ آپ علیہ السلام نے فرمایا اس کا کوئی مستند ریکارڈ موجود نہیں ہے۔عہد نامہ جدید (New Testament) میں متی، مرقس، لوقا اور یوحنا کی کتابیں شامل ہیں لیکن کیا ہم پوچھ سکتے ہیں کہ وہ کتاب کہاں ہے جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام لائے تھے؟ وحی الٰہی جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے لائے تھے کا اصل ریکارڈ کہاں ہے؟ کیا جو پیغام انہوں نے دیا اس کا آپ کی زندگی ہی میں مرتب کردہ کوئی ریکارڈ ہے، وہ پیغام جو آپ پر نازل کیا گیا؟ ہمارے پاس ایسا کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔جو کچھ دستیاب ہے وہ آپ کی ایسی سوانح عمریاں ہیں جو آپ کے رفعِ آسمانی کے بعد لکھی گئی تھیں۔اِن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیے گئے الہامات پر مبنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کچھ کلماتِ حکمت کا ریکارڈ تو مل جاتا ہے لیکن ان میں آپ کی تعلیمات کی ایسی تشریحات بھی ملی ہوئی ہیں جو صرف انسانی ذہن کی اختراع ہیں۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کئی شاگرد تھے اور ہم پڑھتے ہیں کہ ان میں سے ستر نے آپ کی سوانح عمریاں لکھیں لیکن باقی چھیاسٹھ کہاں ہیں؟ عصرِ حاضر میں برناباس کی لکھی ہوئی کتاب یعنی انجیل برناباس کا ایک نسخہ روم میں پوپ کی لائبریری سے ملا ہے جسے المنار کے ایڈیٹر نے ترجمہ کیا ہے۔عیسائی کہتے ہیں کہ برناباس کی یہ انجیل مستند نہیں ہے لیکن اگر یہ کتاب مستند نہیں ہے تو ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ عہد نامہ جدید میں پائی جانے والی دوسری کتب مستند ہیں؟ درحقیقت انجیل برناباس کے بعض اجزا ایسے ہیں جو قرآن سے ہم آہنگ ہیں۔ سید الانبیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام بھی اس میں مذکور ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق کچھ اور باتیں بھی اس میں پائی جاتی ہیں۔یہ جو کچھ بھی ہو یہاں تک کہ عہد نامہ جدید میں شامل کی گئی کُتب اپنی اصل صورت زبان عبرانی میں نہیں ملتی ہیں یہاں تک کہ ان کے یونانی زبان میں اصل ترجمے بھی نہیں پائے جاتے۔

مزید برآں چاروں اناجیل میں مذکور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال وافعال کا ریکارڈ بھی بعض اوقات ایک دوسرے سے مختلف ہو جاتا ہے۔لہٰذا ہم نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ

(۱) عہد نامہ جدید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شاگردوں کی لکھی کُتب نہ یہ دعویٰ کرتی ہیں اور نہ کرسکتی ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ کلام کا اصل ریکارڈ ہیں۔

(۲) یہ دکھانے کے لیے کوئی تاریخی ثبوت نہیں ہے کہ اناجیل میں جو کچھ درج ہے وہ اللہ کی طرف سے الہامات پر مبنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال کا اصل اور مستند ریکارڈ ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چھ سوسال بعد ایک یتیم بچہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ملکِ عرب میں پیدا ہوا جس نے نہ کسی شخص سے تربیت پائی اور نہ تعلیم۔ اس نے چالیس سال کی عمر میں دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر پہلی وحی نازل ہوئی ہے۔ اس وحی کے الفاظ یہ ہیں:

إِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ O خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ O إِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ O الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ O عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ۔ (سورۃ العلق: ۱۔۵)

ترجمہ: ''پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، آدمی کو خون کی پھٹک سے بنایا، پڑھو اور تمہارا رب ہی سب سے بڑا کریم، جس نے قلم سے لکھنا سکھایا، آدمی کو سکھایا جو نہ جانتا تھا''۔

اگر ہم قرآن پاک کا جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ بلا شبہ خود بیان کرتا ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ لہٰذا ہم پڑھتے ہیں:

ا۔ الٓمٓ O ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ O الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ O وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَآ أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ۔ (سورۃ البقرۃ: ۱۔۴)

ترجمہ: ''وہ بلند رُتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں، اس میں ہدایت ہے ڈر والوں کو، وہ جو بے دیکھے ایمان لائیں اور نماز قائم رکھیں اور ہماری دی ہوئی روزی میں سے ہماری راہ میں اٹھائیں اور وہ کہ ایمان لائیں اس پر جو اے محبوب تمہاری طرف اترا اور جو تم سے پہلے اترا اور آخرت پر یقین رکھیں''۔

ب۔ قُلْ أَيُّ شَيْءٍ أَكْبَرُ شَهَادَةً قُلِ اللّٰهُ شَهِيْدٌ بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ وَأُوْحِىَ إِلَيَّ

هٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْ بَلَغَ۔۔ (سورۃ الانعام:۱۹)

ترجمہ: ''تم فرماؤ سب سے بڑی گواہی کس کی، تم فرماؤ کہ اللہ گواہ ہے مجھ میں اور تم میں اور میری طرف اس قرآن کی وحی ہوئی ہے کہ میں اس سے تمہیں ڈراؤں اور جن جن کو پہنچے''۔

ج۔ وَهٰذَا كِتٰبٌ أَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ۔ (سورۃ الانعام:۹۲)

ترجمہ: ''اور یہ ہے برکت والی کتاب کہ ہم نے اتاری تصدیق فرماتی ان کتابوں کی جو آگے تھیں''۔

ہم یہ بھی پاتے ہیں کہ قرآن پاک ایک مکمل ضابطہ ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ۔۔ (سورۃ النحل:۸۹)

ترجمہ: ''اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے''۔

یہی وجہ ہے کہ ایک بزرگ نے فرمایا: ''اگر میری سوئی گم ہو جائے اور میں اسے ڈھونڈنا چاہوں تو میں اسے قرآن مجید کے ذریعے تلاش کرلوں گا۔''

قرآن مجید ہمارے نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا اور ہم جانتے ہیں کہ آپ ایک اُمّی تھے جس نے کسی اسکول یا یونیورسٹی سے علم حاصل نہیں کیا تھا۔ ہمارے پاس تاریخی ثبوت بھی ہے کہ قرآن مجید کی اِملا اور لکھوانے کا کام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ہی میں ہو گیا تھا اور یہ بھی کہ اس میں کسی قسم کی ترمیمات یا تبدیلیاں واقع نہیں ہوئی ہیں۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید مقرر کردہ تمام معیاروں پر مکمل طور پر پورا اُترتا ہے اس لیے ہم اسے اللہ تعالیٰ کے احکامات کا اصلی اور مستند ریکارڈ قبول کر سکتے ہیں۔

اب ہم قرآن مجید کی ثقاہت پر غور کرتے ہیں اور یہ جائزہ لیتے ہیں کہ کیا یہ ان معیاروں کو پورا کرتا ہے جو ہم نے مقرر کیے ہیں۔ ہم نے دیکھا ہے کہ کسی آسمانی کتاب کی شروط میں سے ہے کہ

(۱) کتاب خود اعلان کرے کہ یہ اللہ کی طرف سے آئی ہے۔

(۲) یہ کسی ترمیم اور انسانی ذہن کی تشریحات کے امتزاج کے بغیر اپنی اصلی شکل میں موجود ہو۔

(۳) اس کے قوانین وضابطے جامع ہوں اور انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کو محیط ہوں۔

(۴) یہ قوانین قابلِ عمل ہوں اور

(۵) وہ لوگ جو اِن قوانین کی پابندی کریں انہیں کامیابی حاصل ہونی چاہیے۔

قرآن مجید خود یہ اعلان کرتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے۔ارشاد ہوتا ہے:

۱) وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعٰلَمِينَ۔ (سورۃ الشعرا:۱۹۲؛الواقعۃ:۸۰؛الحاقۃ:۴۳)

ترجمہ:''اور بیشک یہ قرآن رب العالمین کا اتارا ہوا ہے''۔

۲) إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُونَ۔ (سورۃ الحجر:۹)

ترجمہ:''بیشک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بیشک ہم خود اس کے نگہبان ہیں''۔

۳)۔۔۔وَإِنَّهُ لَكِتٰبٌ عَزِيزٌ O لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ط تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ۔ (سورۃ حٰم السجدۃ:۴۱۔۴۲)

ترجمہ:''بیشک وہ عزت والی کتاب ہے باطل کو اس کی طرف راہ نہیں نہ اس کے آگے سے نہ اسکے پیچھے سے، اُتارا ہوا ہے حکمت والے سب خوبیوں سراہے کا''۔

۴) لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ O إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْاٰنَهُ O فَإِذَا قَرَأْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهُ ۔ (سورۃ القیامۃ:۱۶۔۱۸)

ترجمہ:''تم یاد کرنے کی جلدی میں قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دو بیشک اس کا محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے،تو جب ہم اسے پڑھ چکیں اس وقت اس پڑھے ہوئے کی اتباع کرو''۔

اس طرح قرآن مجید کہتا ہے کہ یہ قادرِ مطلق کی طرف سے ہے۔اس میں یہ یقین دہانی بھی پائی جاتی ہے کہ اللہ خود اس کے متن کی حفاظت فرمائے گا اور اسے تحریفات سے محفوظ رکھے گا۔قرآن مجید اس سے بھی آگے جاتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ اس کے متن کی تفسیر بھی اللہ کا کام ہوگا۔ارشاد ہے: ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ۔ (سورۃ القیامۃ:۱۶۔۱۸)

ترجمہ:''پھر بیشک اس کی باریکیوں کا تم پر ظاہر فرمانا ہمارے ذمہ ہے''۔

قرآن مجید کی وہ تفسیر جو ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے دی گئی ہے اسے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں بنایا تھا بلکہ یہ بھی خود اللہ کی طرف سے تھی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں معانی

کا الہام کیا گیا اور پھر آپ نے انہیں لوگوں تک پہنچایا۔ جیسا کہ قرآن مجید نبی کریم ﷺ کے بارے میں فرماتا ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۔ (سورۃ النجم: ۳۔ ۴)

ترجمہ: ''اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے''۔

اس طرح نبی کریم ﷺ کو وحی متلو کے علاوہ وحی غیر متلو بھی عطا کی گئی اور یہ وحی کی دوسری قسم ہے جس سے ہمیں قرآن مجید کے معانی کی تفسیر بھی ملتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے افعال واقوال قرآن مجید کی عملی تفسیر تھے اور آپ علیہ الصلوۃ والسلام کے افعال قرآنی تعلیمات کا سراپا تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ج۔۔۔ (سورۃ الحشر: ۷)

ترجمہ: ''اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لے لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو''۔

ایک اور جگہ پر ارشاد فرمایا گیا ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ (سورۃ الاحزاب: ۲۱)

ترجمہ: ''بے شک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے''۔

قرآن مجید بیان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ردّ و بدل سے خود اس کی حفاظت فرمائے گا۔ ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر بھی نبیٔ اکرم ﷺ کو الہام کی گئی۔ اس لیے کسی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنی خواہش یا علم کے مطابق قرآن مجید کی تشریح کرے۔ نبیٔ کریم ﷺ نے ان لوگوں کو تنبیہ کی ہے جو قرآن مجید کے معانی اور تفسیر کو بدلنا چاہتے ہیں:

مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهٖ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ (سنن الترمذی، کتاب تفسیر القرآن عن الرسول، باب: ماجآء فی الذی یفسر القرآن برأیہ)

آپ نے ان لوگوں کو مزید خبردار کیا جو جھوٹی تفسیر یا من گھڑت حدیث آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں: مَنْ تَعَمَّدَ عَلَيَّ كَذِبًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ (صحیح

البخاری، کتاب العلم، باب: إثم من کذب علی النبی) یعنی جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ کہا تو چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنائے۔

میں یہاں قرآن مجید کے معانی کی غلط تفسیر کی چند مثالیں دینا چاہوں گا۔ ۱۹۱۴ء میں جب میں برما (Burma) میں تھا ایک بہائی میرے پاس آیا اور کہا میں اسلام کی تبلیغ کیوں جاری رکھے ہوئے ہوں جب قرآن خود کہتا ہے کہ اس کے پیغام کا وقت ختم ہو چکا ہے اور نبی کریم ﷺ کا دور اختتام پذیر ہو چکا ہے۔ اس نے قرآن کی مندرجہ ذیل آیت اپنی دلیل کے طور پر پڑھی:

يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ۔ (سورۃ السجدۃ:۵)

ترجمہ: ''کام کی تدبیر فرماتا ہے آسمان سے زمین تک پھر اسی کی طرف رجوع کرے گا اس دن کہ جس کی مقدار ہزار برس ہے تمہاری گنتی میں''۔

اس نے کہا یہاں ''امر'' کا معنی شریعت یا دین یا قرآن ہے۔ اس لیے اس نے کہا کہ قرآن صاف کہتا ہے کہ ایک ہزار سال کے بعد دینِ اسلام ختم ہو جائے گا اور ایک نیا نبی آئے گا۔ مَیں نے اسے کہا کہ لفظ ''امر'' کا معنی حکم ہے۔ تو اس کا معنی دین کیسے کرتا ہے۔ مَیں نے اسے کہا کیا تو کوئی معیاری ڈکشنری لا سکتا ہے جو امر کا معنی دین کرتی ہو۔ وہ صرف یہ کہہ سکا کہ بہاء اللہ نے ''اَمر'' کی تفسیر دین اور شریعت سے کی ہے۔ اس طرح یہاں ہمارے پاس کسی لفظ کی خواہشِ نفس کے مطابق تفسیر کرنے کی ایک مثال ہے جو مترجم کی دلیل کے لیے موزوں بنتی ہے۔

محمد علی نے قرآن مجید کے اپنے ترجمے میں قرآن مجید کی ایک آیت (؟) کا ترجمہ یوں کیا ہے:

"Seek a help through the nation with the help of your staff."

یہ ترجمہ بھدا اور بُرا ہے کیونکہ یہ نحوی ترکیب کے بھی خلاف ہے۔ اس کا درست ترجمہ یوں ہونا چاہیے: "Strike with a stick and a stone."

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی روشنی میں حاصل شدہ جامعیت اور بنیادی رہنمائی اور اس پر عمل ہمیشہ کے لیے کافی ہے اور قرآن کی تفسیر کے لیے ہمیشہ بے خطار ہتی ہے۔ تاہم تفصیل کے بعض نکات ایسے ہو سکتے ہیں جو بعض صورتوں میں پیش آ سکتے ہیں جن کے معاملے میں قرآن وسنت کی رہنمائی بہت زیادہ واضح نہیں ہوتی۔ ایسے حالات میں ہمیں قرآن وسنت کی مرادی ہدایت کو دریافت کرنا چاہیے۔ خود قرآن کے مطابق ہم ایسا کرنے کے لائق ہیں اگر ہم قرآن کا مطالعہ گہری نظر سے کریں تو اللہ کے الہام سے وہ تفسیر ہمارے دلوں میں یقینا آ جائے گی۔ اسی حوالے سے حدیث شریف میں کہا گیا ہے:

ا) مَنۡ يُّرِدِ اللهُ بِهٖ خَيۡرًا يُفَقِّهۡهُ فِي الدِّيۡنِ۔ (صحیح بخاری، کتاب العلم، باب: العلم قبل القول و العمل) یعنی اللہ تعالیٰ جس سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے اپنے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔

ب) يُؤۡتِي الۡحِكۡمَةَ مَنۡ يَّشَآءُ وَمَنۡ يُّؤۡتَ الۡحِكۡمَةَ فَقَدۡ أُوۡتِيَ خَيۡرًا كَثِيۡرًا ط وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّآ أُولُوا الۡأَلۡبَابِ۔ (سورۃ البقرۃ:۲۶۹)

ترجمہ: ''اللہ حکمت دیتا ہے جسے چاہے اور جسے حکمت ملی اسے بہت بھلائی ملی اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے''۔

ج) أَفَلَا يَتَدَبَّرُوۡنَ الۡقُرۡآنَ۔۔۔ (سورۃ النسآء:۸۲)

ترجمہ: ''تو کیا غور نہیں کرتے قرآن میں''۔

د) فَمَنۡ يُّرِدِ اللهُ أَنۡ يَّهۡدِيَهٗ يَشۡرَحۡ صَدۡرَهٗ لِلۡإِسۡلَامِ۔۔۔ (سورۃ الانعام: ۱۲۵)

ترجمہ: ''اور جسے اللہ راہ دکھانا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے''۔

ہمیں کیسے پتہ چلے گا کہ وہ تشریح اور وضاحت جو ہمارے دلوں آئی ایک درست تشریح اور وضاحت ہے؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ إِنَّ عَلَيۡنَا بَيَانَهٗ۔ (سورۃ القیامۃ: ۱۹)

ترجمہ: ''پھر بیشک اس کی باریکیوں کا تم پر ظاہر فرمانا ہمارے ذمہ ہے''۔

اس طرح اگر وہ تشریح قرآن وسنت کی تعلیم کے مطابق ہے تو ہمیں یہ مان لینی چاہیے

اور اگر یہ ان کے مطابق نہیں ہے تو اسے ردّ کر دیا جائے گا۔ لہٰذا ہم نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ قرآن مجید خود یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کے الفاظ اللہ کی طرف سے آئے ہیں اور یہ کہ وہ خود آپ تغیر و تبدّل سے ان کی حفاظت فرمائے گا اور دوسرا یہ کہ قرآن کی وضاحت اور تفسیر ہمیں خدا کی جانب سے دی گئی ہے۔

قرآن مجید دعویٰ کرتا ہے کہ یہ خدا کی طرف سے آیا ہے۔ خدا کی مثل کوئی نہیں۔ اسی طرح اس کی کتاب اور کلام بھی بے مثال ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

وَإِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ... وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ ... (سورۃ البقرۃ: ۲۳۔ ۲۴)

ترجمہ: ''اور اگر تمہیں کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے اپنے (ان خاص) بندے پر اُتارا تو اس جیسی ایک سورت تو لے آؤ۔۔۔ اور ہم فرمائے دیتے ہیں کہ ہرگز نہ لاسکو گے تو ڈرو اس آگ سے''۔

ہم دیکھتے ہیں کہ خود عرب بھی لغوی حوالے سے قرآن مجید کی ایک آیت کی مثل کوئی عبارت نہ لا سکے۔ کوئی شخص بھی ایسی عبارت بنا لینے کا دعویٰ نہیں کر سکا جو قرآن مجید یا اس کی ایک سورت یا آیت کے مفہوم کی جامعیت کو چیلنج کر سکے۔ قرآن مجید کے نزول کو تیرہ سَو سال گذر چکے ہیں اور کوئی بھی قرآن مجید کی کسی آیت کی مثل لانے کے قابل نہیں ہو سکا۔

ہمارا تجربہ ہے کہ انسان خطا اور نسیان کا پُتلا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ بھول اور نسیان سے پاک ہے۔ اگر قرآن بھی ایک انسان کا کلام ہوتا تو ہمیں اس میں اختلافات اور تضادات مل جاتے کیونکہ اسے مکمل ہونے کے لیے ایک عرصہ لگا ہے۔ لیکن قرآن میں بیان کردہ تفصیلات میں درحقیقت کوئی اختلافات اور تضادات نہیں ہیں۔ اس کے آسمانی محفوظ کتاب ہونے کا یہ ایک اور ثبوت ہے۔

اس سلسلے میں ایک اہم نکتہ ہمیں اپنے ذہن میں رکھنا چاہیے۔ ہم جانتے ہیں کہ قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا گیا۔ اس کے احکامات ایسے لوگوں کو سدھارنے اور ان کی اصلاح کے لیے تدریجاً اور مرحلہ وار اُتارے گئے جو مریض اور بگڑے ہوئے تھے۔ اگر پہلے دن ہی

سے وہ اسلام کے مکمل نظم وضبط کے تابع کر دیئے جاتے تو ان کی پیروی اور تعمیل کو وہ نفسیاتی طور پر لازماً بہت بھاری پاتے۔ شراب نوشی کی مثال لے لیجیے۔ جیسا کہ تاریخِ عرب کے تمام طلبا جانتے ہیں بُت پرستی اور شرک کے علاوہ کئی روحانی اور اخلاقی بُرائیوں کے ساتھ ساتھ شراب نوشی کی عادت عربوں میں اتنی رچی بسی ہوئی تھی کہ دنیا کی کوئی اور قوم بمشکل اتنے بڑے درجے کی لت کا دعویٰ کر سکے۔ اگر شراب نوشی کی ممانعت کا قانون ان پر یکدم مسلط کر دیا جاتا تو ان کی نفسیاتی حالت اور بیمار اعصابی کیفیت انہیں ایمان و اسلام کو شراب پر قربان کر دینے پر مجبور کر دیتی۔ وہ شراب کو ایمان و اسلام پر ترجیح دیتے۔ لیکن کفر و شرک تو گناہوں کی جڑ ہیں جو انسان کو ابدی آگ سے کم کسی چیز پر نہیں چھوڑیں گے جبکہ دوسرے گناہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ، ان کی سزا اس سے کم ہے۔ اگر کسی درخت کی جڑ صحت مند اور محفوظ ہے اس کے دوسرے حصوں کو چاہے جتنی بڑی مصیبتیں پہنچتی رہیں درخت کے باقی رہنے اور دوبارہ سرسبز ہو جانے کی امید بہر حال رہتی ہے لیکن ایک دفعہ جب جڑ بیمار ہو گئی یا کاٹ دی گئی تو پورا درخت ہمیشہ کے لیے یقینا تباہ ہو جائے گا۔ اس لیے شراب کے معاملے میں پہلے نرم حکم نازل ہوا۔ فرمایا گیا:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَأَنْتُمْ سُكَارٰى ۔۔۔ (سورۃ النساء: ۴۳)

ترجمہ: ''اے ایمان والو نشہ کی حالت میں نماز کے پاس نہ جاؤ''۔

بعد میں اسی سلسلے میں دوسری وحی آئی جس میں یہ حکم دیا گیا: ۔۔ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۔ (سورۃ البقرۃ: ۲۱۹)

ترجمہ: ''تم فرما دو کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے کچھ دنیوی نفع بھی اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑا ہے''۔

اس طرح آخر کار جب لوگوں کو شراب سے نفرت سکھا دی گئی تو فیصلہ کُن حکم نازل ہوا:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۔ (سورۃ المآئدۃ: ۹۰)

ترجمہ: ''اے ایمان والو شراب اور جُوا اور بت اور پانسے ناپاک ہی ہیں شیطانی کام تو ان سے بچتے رہنا کہ تم فلاح پاؤ''۔

مرحلہ وار طریقہ اپنانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب کُلّی ممانعت کا اعلان کیا گیا تو لوگوں نے فوراً شراب کے مٹکے اور برتن توڑ ڈالے اور ان ٹوٹے برتنوں سے شراب مدینہ کی گلیوں میں بہہ رہی تھی۔

اس سے ہم آیات کے منسوخ ہونے کا مسئلہ بھی سمجھ سکتے ہیں۔ ہمیں یہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ کسی بھی موقع پر جو احکام نازل ہوئے وہ یقینا مبنی بر حکمت تھے۔ تاہم جب بعض احکامات کسی عارضی صورتحال سے متعلق تھے تو انہیں بعد میں دوسرے احکام سے تبدیل کر دیا جاتا تھا۔ درحقیقت ایسے احکامات کا مطلب یہ نہیں کہ ایک چیز ایک موقع پر سفید ہے اور دوسرے موقع پر سیاہ۔ بلکہ یہ قدم بقدم آگے بڑھنے والی ہدایت کی وحی کو پیش کرتے ہیں جو ابتدائی مسلمانوں کی مرحلہ وار اصلاح سے متصل تھی۔

کسی آسمانی کتاب کے لیے دوسری شرط جیسا کہ ہم دیکھ آئے ہیں یہ ہے کہ یہ اپنی اصلی شکل میں موجود ہو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُونَ۔ (سورۃ الحجر:۹)

ترجمہ: ''بیشک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بیشک ہم خود اس کے نگہبان ہیں''۔

ہم جانتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُمّی تھے آپ نے کسی انسان سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا تھا۔ قرآن مجید اس سلسلے میں فرماتا ہے:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۔۔۔ (سورۃ النساء: ۱۱۳)

ترجمہ: ''اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرمایا: أَدَّبَنِي رَبِّي فَأَحْسَنَ تَأْدِيبِي۔

(الحدیث) ترجمہ: میرے رب نے مجھے سب سے اچھے آداب سکھائے۔

اس لیے ہمارے نبی نے جو کچھ پڑھایا وہ ان کا کوئی اپنا علم نہیں تھا بلکہ یہ وہ تھا جو جبریل علیہ السلام کے ذریعے آپ پر اُتارا گیا۔

آپ پر قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا گیا۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی حاصل ہوتی تو آپ اسے خود حفظ فرماتے اور پھر اپنے صحابہ مثلاً حضرت خدیجہ، ابوبکر، علی رضی اللہ عنہم کو پڑھاتے۔ اس طرح وہ بھی اسے زبانی یاد کر لیتے۔

r r r r

سبق نمبر پانچ

عربوں کی ناخواندہ نسل میں سے مکہ مکرمہ میں صرف چند ایک ایسے تھے جو پڑھ اور لکھ سکتے تھے۔ اس وقت کاغذ، قلم اور لکھنے کی روشنائی کمیاب تھی۔ اللہ کے مسلسل نازل ہونے والے کلام کو قیدِ تحریر میں لانا حقیقتاً بہت مشکل کام تھا لیکن اس کا انتظام کرلیا گیا۔ وہ چند ایک لوگ جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان میں سے کچھ مسلمان ہو گئے۔ قرآن مجید کی آیات کھجور کے پتوں اور چمڑے کی شیٹوں پر لکھ لی جاتی تھیں۔ کچھ صحابہ کی یہ ذمہ داری لگادی گئی کہ جونہی قرآن مجید کی آیات نازل ہوں وہ انہیں یاد کرلیں۔ صحابہ میں سے کچھ کا خصوصی انتخاب کیا گیا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سبق پڑھا کریں گے۔ ہر سبق قرآن مجید کی دس آیات پر مشتمل ہوتا تھا۔ وہ ان آیات کو زبانی حفظ کرتے، ان کے معانی اور مفہوم کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سمجھتے اور پھر دوسروں کو سکھاتے۔ ان صحابہ کرام میں عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن محمد رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا وقت آ گیا۔ مسلمانوں کی تعداد آہستہ آہستہ بڑھتی رہی۔ مدینہ منورہ میں انہیں ایک متحرک جماعت کی شکل میں منظم کر دیا گیا۔ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اور بہت سے انتظامات کیے ان میں یہ بھی تھا کہ زیادہ سے زیادہ صحابہ کرام پڑھ اور لکھ سکیں۔ نازل ہونے والی آیات کو پورے نظم وضبط کے ساتھ لکھنے کا کام جاری رہا۔ آپ کے غلام زید بن ثابت ان صحابہ میں سے ایک تھے جنہیں قرآن مجید لکھنے کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔

جب ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر کوئی وحی نازل ہوتی تو آپ اس کا کوئی ایک حرف بھی نہ بھولتے۔ آپ کاتبین کے سامنے اس کی تلاوت فرماتے اور وہ اسے پڑھتے جسے انہوں نے آپ سے سُن کر لکھا ہوتا۔ قرآن کو کتابی شکل میں مدوّن کرنے کی طرف بھی توجہ دی گئی۔ جونہی آیات نازل ہوتیں انہیں نہ صرف لکھ لیا جاتا بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ تعالیٰ کی زیر

ہدایت اس کی سورتوں کا تعین بھی فرما دیتے اور کاتبین کو ہدایت فرماتے کہ کونسی آیات کو کس سورت میں کس جگہ رکھنا ہے۔

نہ صرف آیات کی ترتیب اور سورتوں کا تعین نبیؑ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرما دیا بلکہ آپ نے سورتوں کی ترتیب جیسے سارے کام اللہ کے ارشاد کے مطابق پایۂ تکمیل تک پہنچائے۔

سارا قرآن مجید نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں لکھا گیا۔ آپ کے وصال کے بعد خلیفہ اوّل سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان تمام تحریروں کو جمع کیا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے مکمل ہوئیں اور انہیں کاتبین وحی کی مدد سے ایک کتاب کی شکل میں مدوّن کر دیا۔ البتہ قرآن کے مختلف اجزا جسے کئی لوگوں نے لکھا تھا وہ ان کے پاس رہے۔

پھر تیسرے خلیفہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور آیا۔ اس وقت اسلام مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ جزیرۂ عرب کی سرحدوں کو پار کر کے مصر، فلسطین، شام، عراق اور ایران میں داخل ہو چکا تھا۔ دائرۂ اسلام میں داخل ہونے والوں کی تعداد ہمیشہ بڑھتی رہی۔ تلاوتِ قرآن میں لوگوں کی دلچسپی عالمی سطح کو پہنچ رہی تھی۔ لوگوں کی اکثریت کے پاس قرآن کے صرف بعض اجزا تھے اس لیے غلط فہمی پیدا ہو سکتی تھی کہ صرف ایسے ایسے اجزا قرآن کی تشکیل کرتے ہیں اور یہ کہ دوسرے اجزا اس میں شامل نہیں اس لیے خلیفہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں مدوّن قرآنی نسخے کی کئی کاپیاں بنوائیں اور انہیں اسلامی سلطنت کے مختلف مراکز میں بھیج دیا۔ وہ نسخہ جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زیر مطالعہ تھا اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کے خون کے قطرے بوقتِ شہادت اس پر گرے۔ وہ نسخہ پہلے مدینہ میں محفوظ رہا۔ پھر بعد میں وہاں سے ترکی کے سلطانوں نے اسے شاہی لائبریری استنبول میں منتقل کر دیا۔

جہاں تک تاریخی حقائق کا تعلق ہے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ عموماً نامہ نگاروں کے ذریعے ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہوتے ہیں۔ اسلام نے ان راویوں کی حیات و عادات کے مطالعے کے لیے ایک خاص علم وضع کیا ہے جسے علم الرجال کہتے ہیں۔ ہمارے پاس نہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زندگی کا مکمل ریکارڈ ہے بلکہ ہمارے پاس ان تمام راویوں

کے حالاتِ زندگی کا ریکارڈ بھی محفوظ ہے جس کے ذریعے ہمیں نبی اکرم ﷺ اور اسلام کے ابتدائی دَور کا علم ہوتا ہے۔ علم الرجال کے ذریعے سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ کون سے راوی قابل اعتماد ہیں اور کون سے نہیں۔ مزید برآں اگر کوئی راوی عمر کے کسی حصے میں اپنی یادداشت کھو بیٹھے تو اسے بھی ریکارڈ کرلیا جاتا ہے تاکہ اس کی ان حدیثوں کو ردّ کرسکیں جو اُس نے اپنی یادداشت کھونے کے بعد روایت کیں۔ صحیح حدیثوں کے لیے ہم قابل اعتماد راویوں کا ایک سلسلہ اس شخص تک مرتب کرسکتے ہیں جس نے خود نبی ٔکریم ﷺ سے سُنا یا آپ ﷺ کو دیکھا۔ اس طریقے سے ہم نبی ٔکریم ﷺ کی حیاتِ پاک، آپ کے افعال اور اقوال کے ساتھ ساتھ اس دور کے مسلمانوں کی زندگیوں کے ریکارڈ کو ایک ایسے مکمل سلسلۂ رُواۃ سے حاصل کرنے کے لائق ہوگئے ہیں جن کے لائقِ اعتماد ہونے کا امتحان لیا جاچکا ہے۔

اس طرح یہ واضح ہے کہ آج قرآن مجید بلاریب اپنی اصلیت کے ساتھ موجود ہے یہ نہ صرف تحریری طور پر بلکہ لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کے ذہنوں میں بھی موجود ہے۔ یہ حقیقت کسی شخص کے لیے قرآن کے متن میں کسی قسم کی حتی کہ ایک نقطہ میں تبدیلی کو بھی ناممکن بنادیتی ہے۔

ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ قرآن ہمیں ایک جامع رہنمائی عطا کرتا ہے۔ قرآن مجید کی ہدایات اور تعلیمات کے ذریعے ہم اپنی تمام مادّی اور روحانی ضرورتوں کو پورا کرسکتے ہیں۔ مثلاً یہ ہمیں بتاتا ہے کہ کیا کھائیں اور کیا نہ کھائیں، کیا پہنیں اور کیا نہ پہنیں اور یہ ہمیں تعلیم دیتا ہے کہ اپنی روزی جائز اور حلال طریقوں سے کمائیں۔ قرآن فرماتا ہے:

۔۔۔وَأَحَلَّ اللهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا۔۔۔(البقرۃ:۲۷۵)

ترجمہ: ''اور اللہ نے حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سود''۔

یہ ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ جو دولت ہم نے کمائی اسے خرچ کیسے کریں:

وَلَا تُسْرِفُوْا إِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ۔ (سورۃ الاعراف:۳۱)

ترجمہ: ''اور حد سے نہ بڑھو بیشک حد سے بڑھنے والے اسے پسند نہیں''۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ۔ (صحیح بخاری،

کتاب الایمان، باب: فضل من استبرأ لدینہ)

قرآن مجید کی تعلیمات اعلیٰ حکمت پر مبنی ہیں اور ہمارے فائدے کے لیے بھیجی گئی ہیں۔ اس طرح اللہ نے ہمیں خنزیر کا گوشت کھانے سے منع فرمایا کیونکہ خنزیر ہمارے کھانے کے لیے پیدا نہیں کیا گیا بلکہ گندی چیزیں کھانے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اس طرح وہ اپنے جسم میں نظر نہ آنے والے جراثیموں کو جذب کر لیتا ہے۔ یہ جراثیم خنزیر کے گوشت میں چلے جاتے ہیں اور اگر اس گوشت کو کھایا جائے تو وہ جراثیم ہمارے جسم میں آ جائیں گے۔ جدید سائنس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ خنزیر کا گوشت اکثر مرض لاتا ہے اور ایسا کوئی طریقہ نہیں جس سے ترخینا جو بیماری کا موجب بنتا ہے کی موجودگی یا عدم موجودگی کا یقین سے تعین کیا جا سکے۔

ہمارا کھانا، پینا، لباس، ہماری جنسی خواہشات یہ سب اور دوسرے معاملات قرآن مجید میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

ا) قرآن مجید میں ہر شے کا علم ہے۔

ب) قرآن مجید ہر ایک سوال کی مکمل وضاحت ہے۔ (سورۃ الاسراء: ۸۹،۴۱)

جہاں تک سائنسی علم کا تعلق ہے ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن نہ صرف ریسرچ اور سائنسی علوم کی تحصیل پر زور دیتا ہے بلکہ خود اس میں سائنس کی اعلیٰ سچائیاں پائی جاتی ہیں۔ ان میں بعض دریافت ہو چکی ہیں اور بعض ابھی دریافت نہیں ہوئیں۔ جیسا کہ میں اپنے لیکچر ''The Cultivation of Science by the Muslims'' میں واضح کر چکا ہوں۔ علم کی کوئی ایسی شاخ نہیں جو مسلمانوں کی مرہونِ منت نہ ہو۔ اگر مسلمان نہ ہوتے تو یورپ اپنی نشاۃ ثانیہ کو کبھی نہ دیکھ پاتا اور جدید سائنسی دور کی صبح کبھی طلوع نہ ہوتی۔ مزید برآں جس چیز کو جدید سائنس سمجھنے کے لائق ہو سکی ہے وہ قرآن میں شامل علوم کا صرف ایک جزو ہے۔ ہم قرآن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں پڑھتے ہیں: أَفَتُمٰرُونَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى O وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً أُخْرٰى O عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى O عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوٰى O إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى O مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى O لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ

رَبِّهِ الْكُبْرٰى O (سورۃ النجم: ۱۲۔۱۸)

ترجمہ: ''تو کیا تم اُن سے اُن کے دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو اور انہوں نے تو وہ جلوہ دو بار دیکھا سدرۃ المنتہیٰ کے پاس، اس کے پاس جنت الماٴویٰ ہے، جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا، آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی، بیشک اپنے رب کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں''۔

اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم تمام کائنات سے زیادہ ہے، وہ علم کے آفاق کی حدوں سے بھی آگے بڑھا ہوا ہے۔ جتنا علم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کیا گیا اور جو قرآن میں موجود ہے ہمارے پاس اس کا ایک جزو بھی نہیں ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۔۔۔ (سورۃ العنکبوت: ۶۹)

ترجمہ: ''اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھا دیں گے''۔

ابن علی عربی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص قربانی کے بعد قربانی دیتا ہے اور کوشش پر کوشش کرتا ہے تو اس کے لیے اس کے دل میں کم از کم سوئی کے ناکے کے برابر ایک سوراخ بنا دیا جاتا ہے جہاں سے نور آتا ہے اور وہ شخص اس نور کے ذریعے قرآن مجید کو سمجھنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو جاننے کے لیے قرآن مجید ہماری مدد کر سکتا ہے۔ قرآن میں بہت سی ایسی باتیں ہیں جو ہمیں اللہ کی نشانیاں بتاتی ہیں اور یہ کہ ہم اسے کیسے جان سکتے ہیں۔ اسی حوالے سے قرآن میں فرمایا گیا ہے:

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ O لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ O قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ O (سورۃ الانعام: ۱۰۲۔۱۰۴)

ترجمہ: ''یہ اللہ تمہارا رب اور اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں، ہر چیز کا بنانے والا، تو

اسے پو جو وہ ہر چیز پر نگہبان ہے، آنکھیں اسے احاطہ نہیں کرتیں اور سب آنکھیں اس کے احاطہ میں ہیں، اور وہی ہے پورا باطن پورا خبر دار، تمہارے پاس آنکھیں کھولنے والی دلیلیں آئیں تمہارے رب کی طرف سے تو جس نے دیکھا تو اپنے بھلے کو اور جو اندھا ہوا اپنے بُرے کو اور میں تم پر نگہبان نہیں‘‘۔

اس طرح قرآن مجید سائنس کی ایک کتاب ہے، قانون کی ایک کتاب ہے اور دین کی ایک کتاب ہے۔ یہ اللہ کے ساتھ، خود ہمارے اپنے ساتھ، دوسرے لوگوں کے ساتھ اور دنیا کے ساتھ ہمارے تعلقات سے بحث کرتا ہے۔

اسلامی رہنمائی کی جامعیت کے سلسلے میں مَیں اپنی زندگی کا ایک واقعہ ذکر کرنا چاہوں گا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حیدر آباد کی جامعہ عثمانیہ کے جدید تعلیم یافتہ کچھ نوجوان میرے پاس آئے اور متعدد سوالات میرے سامنے رکھے اور مطالبہ کیا کہ مَیں ان کے ہر سوال کا جواب قرآن سے دوں۔ جب مَیں نے اُن کا یہ کام کر دیا تو انہوں نے مجھ سے پوچھا قرآن اس معاملے میں کیسے ہدایت مہیا کر سکتا ہے جو اس کے نزول کے وقت موجود ہی نہ تھا؟ مثال کے طور پر انہوں نے مجھ سے قرآن میں اس سوال کا جواب دکھانے کو کہا کہ کیا ایک مسلمان کے لیے سنیما میں ایک فلم دیکھنا جائز ہے یا ناجائز۔ مَیں نے انہیں کہا مَیں کبھی سنیما نہیں گیا ہوں اس لیے مَیں پہلے یہ جاننا چاہتا ہوں کہ سنیما اصل میں ہوتا کیا ہے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ کیسے پہلے ایک پلاٹ وضع کیا جاتا ہے، پھر ایک کہانی گھڑی جاتی ہے، پھر اداکار لوگ اس کے لیے اداکاری کرتے ہیں اور اس ایکٹنگ کی فلم بنائی جاتی ہے پھر اس کے بعد اسکرین پر بجلی کے ذریعے اسے دکھایا جاتا ہے۔ مَیں نے انہیں کہا کہ مجھے کہانی نہ سُنائیں مجھے اس کی مناسب تعریف بتائیں۔ ایک مختصر بحث کے بعد ہم سنیما کی عملیت پر متفق ہو گئے کہ یہ ایک من گھڑت کہانی پر مبنی ڈرامہ ہوتا ہے۔ پھر مَیں نے اُن سے پوچھا کہ کیا وہ اس کے متعلق فیصلے کی پابندی کرنے کے لیے تیار ہیں اگر قرآن اسے منع کر دے۔ انہوں نے اس کے لیے پکا وعدہ کیا۔ پھر مَیں نے ان کے سامنے قرآن مجید کی درج ذیل آیت کریمہ تلاوت کی:

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّشۡتَرِىۡ لَهۡوَ الۡحَدِيۡثِ لِيُضِلَّ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ بِغَيۡرِ

عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۔ (سورۃ لقمٰن: ۶)

ترجمہ: ''اور کچھ لوگ کھیل کی باتیں خریدتے ہیں کہ اللہ کی راہ سے بہکا دیں بے سمجھے اور اسے ہنسی بنالیں ان کے لیے ذلت کا عذاب ہے''۔

اس کے بعد اب ہمیں یہ جائزہ لینا ہے آیا کہ وہ قوانین جو قرآن نے پیش کیے ہیں کیا وہ قابلِ عمل بھی ہیں یا نہیں؟ اور کیا وہ لوگ جنہوں نے ان کی پابندی کی وہ کامیاب بھی ہوئے ہیں یا نہیں؟ ہم دیکھتے ہیں کہ ابتدائی مسلمان قرآن پر صرف ایمان نہیں لاتے تھے بلکہ وہ زندگی بھی قرآنی تعلیمات اور نبی اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے مطابق گذارتے تھے۔ معلوم ہوا یہ قوانین قابلِ عمل اور فطری ہیں۔ آیئے ہم مرتفع عرض بلد پر روزوں کے مسئلے کی مثال لے لیتے ہیں۔ شمالی اور جنوبی قطبین کے قریبی ممالک میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ سورج کئی مہینوں تک متواتر غروب نہیں ہوتا اور اسی طرح کئی ماہ تک مسلسل طلوع ہی نہیں ہوتا۔ ایک مسلمان ایسے اوقات میں روزے کیسے رکھے گا اگر روزہ صبح صادق سے لیکر غروبِ آفتاب تک ہوتا ہے؟ اس سلسلے میں ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد میں ہمیں اشارہ ملتا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''روزِ قیامت سے پہلے دِن کئی سالوں کے ہوں گے اور راتیں بھی کئی سالوں کی ہوں گی''۔ صحابہ نے عرض کی: تو اس وقت لوگ روزے کیسے رکھیں گے؟ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''بالکل اسی طرح جیسے وہ اپنے کھانے اور پینے کا انتظام کرتے ہیں''۔

اس لیے اگر مرتفع عرض بلد پر لوگ دن اور رات میں فرق کر لیتے ہیں تو وہ دن کو روزہ رکھیں۔ انہیں نماز اور روزے اسی طرح ادا کرنے چاہئیں جیسے وہ زندگی کے دوسرے پروگراموں کو تقسیم کرتے ہیں۔

کیا اسلام ان لوگوں کے لیے کامیابی کا تحفہ لایا ہے جنہوں نے اس کی پیروی کی ہے؟ ہم دیکھتے ہیں کہ عربوں نے کامیابی حاصل کی جب انہوں نے قرآنی تعلیمات پر عمل کیا۔ مسلمان طاقت، علم، سائنس اور اندازِ جہاں بانی میں سب سے آگے تھے۔ تاریخ اسلام میں کئی ایسی بزرگ اور مقدس ہستیاں ہیں جنہوں نے قرآنی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر اللہ کا قربِ خاص حاصل کیا ہے۔ مزید برآں خود قرآن میں اللہ نے ہمیں یقین دہانی کروائی ہے

کہ اگلے جہاں میں کامیابی ہماری ہوگی اگر ہم قرآن میں مذکور اللہ تعالیٰ کے احکامات کے آگے سرِ تسلیم خم کردیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوْا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔ (سورۃ الحج: ۷۷) ترجمہ: ''اے ایمان والو رکوع اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی بندگی کرو اور بھلے کام کرو اس امید پر کہ تمہیں چھٹکارا ہو''۔

r r r r

سبق نمبر چھ

اسلام کی تبلیغ کیسے کی جائے؟ کے موضوع کو سمجھاتے ہوئے ہم نے بنی نوع انسان کی فطری ضروریات سے بھی بحث کی ہے اور اس پر بھی غور کیا ہے کہ ان کی مطلوبہ اشیا کس طرح مہیا کی جاتی ہیں۔ ہم نے اللہ کے وجود اور اس کی توحید کے موضوع سے بھی بحث کی ہے۔ اس کے بعد ہم اس بات کو زیرِ غور لائے کہ معبود اور اس کے نبی کی صفات کیا ہونی چاہئیں۔ اس طرح ہمیں کچھ ایسے معیار مل گئے جن کی بنیاد پر ہم کسی مدعیٔ اُلوہیت یا رسالت کی اصلیت کا جائزہ لے سکتے ہیں اور یہ جان سکتے ہیں کہ وہ سچا ہے یا جھوٹا۔ ہم ان معیارات سے متعلق کچھ ایسے نتائج پر بھی پہنچے جن کے ذریعے ان کتابوں کے مستند یا غیر مستند ہونے کا تعین کر سکتے ہیں جن کے کلامِ الٰہی ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ ہم نے دنیا کے بڑے بڑے اَدیان کا سروے کیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ صرف قرآن مجید ہی اس معیار پر پورا اُترتا ہے جس کی بنیاد پر کسی کتاب کو کتابِ الٰہی کے طور پر قبول کیا جا سکتا ہے۔

اب ہم اس سوال سے بحث کرتے ہیں کہ کیا قرآن مجید میں پیغامِ الٰہی کو عملی شکل دینا ممکن ہے؟ اور کیا وہ لوگ جنھوں نے اس کا اتباع کیا کامیاب بھی ہوئے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے متعلق فرماتا ہے: هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ۔ (البقرۃ: ۲) ترجمہ: ہدایت ہے ڈر والوں کو جب مَیں طالب علم تھا اور قرآن مجید کی تفسیر پڑھنا شروع کر رہا تھا تو مَیں قرآن مجید کی اس آیت پر پریشان تھا۔ مَیں نے اپنے استاد سے عرض کی کہ قرآن مجید کو کافروں کے لیے ہدایت ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کیوں فرماتا ہے کہ یہ ان لوگوں کے لیے ہدایت ہے جو اس سے ڈرتے ہیں اور خود کو بچا چکے ہیں؟ میرے استاد نے اس مسئلے کی وضاحت کرنے کی کوشش کی مگر مَیں اس وقت مطمئن نہ ہو سکا۔ تاہم جب میں بڑا ہوا تو مجھے معلوم ہوا کہ مَیں نے کتنا احمقانہ سوال کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قرآن مجید متقی لوگوں کے لیے ہدایت ہے یعنی ان لوگوں کے لیے جن کے پاس تقویٰ ہے اور جو خود کو مادّی اور غیر مادّی دنیا کے خطرات

سے بچا چکے ہیں۔ اگر ایک ڈاکٹر نے ایک مریض کا علاج کیا ہے اور اس سے پوچھا جائے کہ اس نے مریض کے علاج کے لیے کونسی دوائی استعمال کی تھی تو ہمیں استعمال شدہ نسخہ بتائے گا۔ وہ دوائی پھر اس شخص کے لیے دوائی ہوگی جس کا علاج ہو چکا ہے اور اسے ان لوگوں کے بھی استعمال کیا جاسکے گا جو اسی مرض میں مبتلا ہیں۔ اسی طرح قرآن مجید بھی ان لوگوں کے لیے ہدایت ہے جو خود کو محفوظ کر چکے ہیں اور جو خود کو بچانا چاہتے ہیں وہ بھی اسے بطورِ ہدایت لے سکتے ہیں۔

اللہ بھی فرماتا ہے کہ قرآن مجید ان لوگوں کے لیے ہدایت ہے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ لوگ ان اشیا پر ایمان کیسے لاتے ہیں جو نظر نہیں آتی ہیں یعنی جنت، دوزخ اور یوم حساب؟ جب ہم قرآن مجید کی صداقتوں کے قائل ہو جاتے ہیں اور اس بات کے بھی کہ یہ ایک علیم وقدیر کا کلام ہے تو پھر ہمیں ان تمام باتوں پر ایمان لانا چاہیے جو اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہیں۔ ہم ان پر اس لیے یقین رکھتے ہیں کہ اللہ نے قرآن میں ایسے ہی فرمایا ہے۔

تاریخِ اسلام ہمیں بہت سے ایسے افراد کے بارے میں بتاتی ہے جنہوں نے ہر چیز سے منہ موڑا اور خود کو اللہ کے لیے وقف کر دیا اور اس تک پہنچنے کے لیے اپنی ان کوششوں کے نتیجے میں انہیں اس کے نور میں خوش آمدید کہا گیا۔ ان لوگوں نے اللہ کا قرب کیسے حاصل کیا؟ انہیں یہ قرآن کی رہنمائی کی بدولت ملا۔

لوگوں کے دلوں میں یہ جذبات کیسے پیدا ہو جاتے ہیں کہ وہ اللہ کی خاطر ہر چیز کی قربانی دے دیتے ہیں؟ اپنے ترجمۂ قرآن کے مقدمہ میں جارج سیل (Sale) اعتراف کرتا ہے کہ ہمارے نبی کریم حضرت محمد ﷺ نے اللہ اور اپنے لیے صحابہ اور متبعین کے دلوں میں تو بہت زیادہ محبت پیدا کر دی لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے شاگردوں کے دلوں میں ایسی محبت پیدا نہ کر سکے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب بھی اللہ تعالی یا اس کے دین کا نام آتا ہے لوگ اپنے مال وجائیداد کی قربانی دینے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ یہ جذبات کیسے پیدا ہو جاتے ہیں؟ قرآن مجید اس کا جواب یوں دیتا ہے: هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ۔۔۔ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۔ (سورۃ البقرۃ: ۳)

ترجمہ: ہدایت ہے ڈر والوں کو وہ جو۔۔۔ہماری دی ہوئی روزی میں سے ہماری راہ میں اُٹھائیں۔

اللہ تعالیٰ مزید فرماتا ہے کہ قرآن مجید ان لوگوں کے لیے ہدایت ہے:

''الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ'' (البقرۃ: ۴)

ترجمہ: وہ کہ ایمان لائیں اِس پر جو اے محبوب تمہاری طرف اُترا اور جو تم سے پہلے اُترا۔

لہٰذا یہ صرف قرآن مجید کے ذریعے ہی ممکن ہے کہ ہم قرآن مجید سے پہلے نازل کی گئی کتب پر ایمان لا سکتے ہیں۔

اونٹ چَرانے والے جن کا نہ تو معیارِ زندگی اور نہ ہی ثقافت اعلیٰ تھی، کے لیے یہ کیسے ممکن ہو گیا کہ وہ صرف چند سالوں کے اندر اندر فاتح عالم بن گئے؟ یہ قرآن تھا جو اُن کا رہنما تھا۔ جیسے کہ اللہ فرماتا ہے: وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۔۔۔(سورۃ الإسرآء: ۸۲)

ترجمہ: اور ہم قرآن میں اُتارتے ہیں وہ چیز جو ایمان والوں کے لیے شِفا اور رحمت ہے۔

قرآن مجید میں ہمیں ان چیزوں پر ایمان لانے کی تعلیم دی گئی ہے جو غیب ہیں۔ ہم ایسی چیزوں کو کیسے جان اور پھر اُن پر اِیمان لا سکتے ہیں جو نظر ہی نہیں آتیں؟ اگر ہم اپنے علم کی حقیقت پر غور کریں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ علم کے تین مدارج ہیں:

(۱) ایسا علم جسے ہم دوسروں سے سیکھ کر، بذریعہ عقل اور منطق حاصل کرتے ہیں۔ اسے علم الیقین کہتے ہیں؛

(۲) ایسا علم جسے ہم آنکھوں سے دیکھ کر اور مشاہدہ سے حاصل کرتے ہیں۔ اسے عین الیقین کہتے ہیں؛

(۳) وہ علم جسے ہم حقیقت پر مبنی یقینِ کامل کے ذریعے حاصل کرتے ہیں۔ اسے حق الیقین کہتے ہیں۔

جہاں تک اس علم کا تعلق ہے جسے ہم دوسروں سے اور اپنی عقل سے حاصل کرتے ہیں اس کا انحصار سچائی اور ان لوگوں کی ثقاہت پر ہے جن سے ہم سیکھتے ہیں اور خود ہماری اپنی قوتِ

استدلال پر منحصر ہے۔ وہ علم جسے ہم اپنے مشاہدے سے حاصل کرتے ہیں وہ غلط بھی ہوسکتا ہے کیونکہ بعض اوقات ہماری آنکھ ہمیں دھوکہ دیتی ہے اور ہم ایسی چیز دیکھتے ہیں جس کا حقیقت میں کوئی وجود نہیں ہوتا۔ لہٰذا وہ علم جو یقینی اور کُلّی صداقت پر مبنی ہوتا ہے وہی علم کی اعلیٰ ترین صورت ہے۔

جہاں تک ان اشیا کا تعلق ہے جو ہماری آنکھوں سے پوشیدہ ہیں ہم ان پر اس لیے ایمان لاتے ہیں کیونکہ قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ ان کا وجود ہے۔ ہم قرآن اور اصل پیغام ہم تک پہنچانے والے سلسلۂ رُوّاۃ کے مستند ہونے کا جائزہ لے سکتے ہیں اور اگر ہم قائل ہوجاتے ہیں کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے تو پھر ہم اس کی باتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ اس لیے پہلے ہم بذریعہ علم الیقین ایمان لاتے ہیں۔ پھر دوسرے نمبر ہم خود قرآن پڑھتے ہیں اور ان لوگوں کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ جنہوں نے اس کی تعلیمات پر عمل کیا وہ کامیاب ہوچکے ہیں۔ اس لیے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ ہمیں بھی اس کی تعلیمات کی پیروی کرنی چاہیے۔ یہ عین الیقین ہے۔ اکثر اوقات جب ہم قرآن کا گہرا مطالعہ کرتے ہیں اور اس کے علوم کے سمندر میں کھنچے چلے جاتے ہیں تو ہمیں حق الیقین حاصل ہوجاتا ہے اور ہم ایمان لے آتے ہیں کیونکہ ہمارا اعتقاد صداقت پر مبنی ہوتا ہے۔

اگر ہم اپنے آپ کا جائزہ لیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ہم خاص حواس اور آلات رکھتے ہیں جنہیں ہم بعض خاص مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ لہٰذا ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں، کانوں سے سُن سکتے ہیں اور اپنے ہاتھوں سے چھُو سکتے ہیں مگر ہم اپنی آنکھوں سے سُن نہیں سکتے، اور کانوں سے دیکھ نہیں سکتے۔ مزید برآں اگر ہم ایک سنترہ کو چکھیں تو ہم کہتے ہیں کہ یہ میٹھا ہے لیکن کیا ہم اس مٹھاس کی وضاحت کرسکتے ہیں؟ اگر ہم اس کی وضاحت کسی دوسرے شخص سے کرنا چاہیں تو ہمیں اسے یہ کہنا پڑے گا: ''ایک سنترہ لو، اسے اپنے منہ میں ڈالو اور اُس کا رَس چوسو۔ تب تمہیں اس کی مٹھاس کا علم ہوجائے گا''۔ اسی طرح اگر ہمیں برف کی ٹھنڈک کی وضاحت کرنے کا بھی کہا جائے تو ہم کہیں گے: ''برف کو اپنے ہاتھوں میں لو اور جب تمہارے ہاتھ کا درجۂ حرارت گر کر برف کے درجۂ حرارت کو آئے گا تو تمہیں معلوم

ہوگا کہ ٹھنڈک کیا ہوتی ہے''۔ یہی معاملہ اُن دیکھی اشیا کا ہے۔ ہم مکمل طور پر الفاظ کے ذریعے اس کی وضاحت نہیں کر سکتے کہ خدا کیا ہے؟، جنت کیا ہے؟ جہنم کیا ہے؟ خدا، جنت اور جہنم سب غیر مادّی وجود ہیں اور اگر ہم یہ جاننا چاہیں کہ وہ کیا ہیں تو ہمیں لازماً غیر مادّی اشیا کو جذب کرنے، دیکھنے، سُننے اور محسوس کرنے کے لائق ہونا چاہیے۔ ہم یہ کام کیسے کر سکتے ہیں؟ اس کا طریقہ قرآن میں مہیا کیا گیا ہے۔ قرآن میں ہم پڑھتے ہیں: وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ أُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ إِلاَّ قَلِيْلاً۔ (سورۃ الإسرآء: ۸۵)

ترجمہ: ''اور تم سے روح کو پوچھتے ہیں تم فرماؤ روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے اور تمہیں علم نہ ملا مگر تھوڑا''۔

اگر ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ روح کیا ہوتی ہے تو ہمیں اسے اپنے روحانی دماغ کے ذریعے جاننا ہوگا، اگر ہم اسے دیکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں اسے اپنی روحانی آنکھوں کے ذریعے دیکھنا ہوگا، اگر ہم اسے چکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں اسے اپنی روحانی زبان سے چکھنا ہوگا اور اگر ہم اسے محسوس کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اسے اپنے روحانی ہاتھوں سے چھونا پڑے گا۔ ہمارے اجسام بذاتِ خود اور جن اشیا کو ہم دیکھتے ہیں سب مادّی ہیں۔ جب قرآن مجید روحانی دُنیا کی بات کرتا ہے یہ مادّی الفاظ واصطلاحات استعمال کرتا ہے تا کہ لوگ سمجھ سکیں۔ روحانی دنیا کو مادّی زبان کے ساتھ تشبیہات واستعارات کے استعمال کے بغیر بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ ہم نے روحانی دماغ، روحانی آنکھ، روحانی کانوں اور ہاتھوں کی بات کی ہے لیکن یہ مادّی الفاظ دماغ، آنکھ، کان اور ہاتھ صرف مشابہات وتمثیلات کی تشکیل کے لیے استعمال کیے گئے ہیں۔ اس لیے ہمیں انہیں مادّی دماغ، آنکھ، کان اور ہاتھ نہیں سمجھنا چاہیے۔ لہٰذا جب ہم قرآن مجید میں جنت وجہنم کے بارے میں کوئی بیان پڑھیں تو ہمیں انہیں بیان کرنے کے لیے استعمال کی گئی تمثیلات کو لفظی اور مادّی معنوں میں نہیں سمجھنا چاہیے۔

قانونِ ارتقا کے مطابق اگر ہر شے رُو بہ ترقی ہے تو فطری بات ہے اس کی کوئی انتہا ہونی چاہیے جس کے بعد ترقی کا کوئی مزید نقطہ نہیں ہوسکتا۔ آرام یا خوشی اور غم یا دُکھ دو حالتیں

ہیں۔ زندگی میں ہر شخص کو اُن سے واسطہ پڑتا ہے؛ اس لیے ان دونوں حالتوں کا کوئی آخری نقطہ ہونا چاہیے۔ خوشی اور سکون کا آخری نقطہ ہی جنت کہلاتا ہے اور دَرد و غم کا آخری نقطہ جہنم کہلاتا ہے۔ جس طرح اس دُنیا میں ایسے مادّی وسائل پائے جاتے ہیں جو یا تو خوشی میں اضافہ کرتے ہیں یا درد کو مسلّط کرنے میں آلہ بنتے ہیں اسی طرح اگلے جہان میں بھی کسی نہ کسی قسم کے ایسے وسائل ہونے چاہئیں جو حالتِ انبساط یا دُکھ درد پیدا کرنے کا کام کریں۔ جنت کا نقشہ کھینچنے کے لیے اوّل الذکر کی ایک استعاراتی لفظی تصویر بنائی گئی ہے اور جہنم کی رمز بندی کرنے کے لیے عذاب و سزا کا ایک انتہائی خوفناک اور ہولناک نمونہ پیش کیا گیا ہے لیکن ہمیں چاہیے کہ ہم ان کے لفظی بیان کو نہ لے لیں۔ جنت کے متعلق قرآن مجید فرماتا ہے:

فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّاۤ اُخۡفِیَ لَهُمۡ مِّنۡ قُرَّةِ اَعۡیُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ۔
(سورۃ السجدۃ:۱۷)

ترجمہ: ’’تو کسی جی کو نہیں معلوم جو آنکھ کی ٹھنڈک ان کے لیے چھپا رکھی ہے صلہ ان کے کاموں کا‘‘۔

جب یہ صورتحال ہے تو پھر کیسے کوئی روحانی دنیا کی اصلیت کو جان سکتا ہے۔ مثلاً جنت کیا ہے؟ قرآن مجید فرماتا ہے: اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِO الَّذِیۡنَ یَذۡكُرُوۡنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰی جُنُوۡبِهِمۡ وَیَتَفَكَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبۡحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ (سورۃ اٰل عمران:۱۹۰۔۱۹۱)

ترجمہ: ’’بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کی باہم بدلیوں میں نشانیاں ہیں عقل مندوں کے لیے جو اللہ کی یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں اے رب ہمارے تو نے یہ بیکار نہ بنایا، پاکی ہے تجھے تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے‘‘۔

جہاں تک اللہ تعالیٰ کی ذات کا تعلق ہے تو وہ غیر مادّی ہے۔ وہ ہمارے قریب ہے

لیکن ہم نہ اس کا کلام سُن سکتے ہیں اور نہ اسے چُھو سکتے ہیں۔ ہم نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے قریب ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اور ہمارے درمیان کوئی دُوری نہیں ہے۔ دو مقامات کے درمیان موجود دُوری کو ناپا جاسکتا ہے اور اس کی لمبائی معلوم کی جاسکتی ہے جیسے کہ وقت کا معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات زمان ومکان کی حدود سے بالا ہے لہٰذا وہ ہم سے کیسے دور ہوسکتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اور ایک آدمی کے درمیان زمان ومکان کا کوئی فاصلہ نہیں ہوسکتا مگر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے دور ہے نہیں بلکہ ہم اس سے دور ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: نَحۡنُ أَقۡرَبُ إِلَيۡهِ مِنۡ حَبۡلِ ٱلۡوَرِيدِ۔ (سورۃ قٓ:۱۶)

ترجمہ: ''ہم دل کی رگ سے بھی اس سے زیادہ نزدیک ہیں''۔

چند دن پہلے کی بات ہے مَیں جب اپنے غسل خانے میں وضو کرنے جارہا تھا مَیں نے اپنی گھڑی کو اپنی قمیص کی جیب میں ڈال لیا۔ وضو مکمل کرنے کے بعد میں گھڑی کو تلاش کرنا شروع ہوگیا، مَیں یہ بھول گیا تھا کہ مَیں نے اسے اپنی قمیص کی جیب میں ڈالا تھا۔ گھڑی مجھ سے دور نہیں تھی۔ مگر میں گھڑی کو اس لیے نہ پاسکا کہ مَیں اسے بھول گیا تھا۔ اسی طرح اگر ہم اللہ تعالیٰ کو بھول جائیں تو اللہ تعالیٰ ہم سے دور ہوگا۔ یہ ذکر اللہ ہے جو ہمیں اس کے قریب کرے گا۔

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں یادِ الٰہی سکھائی اور فرمایا: اپنے اندر صفاتِ الٰہی کا عکس پیدا کرو۔ ہمارے مرشد مثلاً ہمیں یہ سکھاتے ہیں کہ ہم **یالطیف یالطیف** کا کثرت سے ورد کیا کریں۔ ہم ایسا کیوں کرتے ہیں؟ اس عمل کے دوران ہم اللہ تعالیٰ کی ایک صفت کا ورد کرتے ہیں تاکہ یہ صفت لُطف (شفقت ومہربانی) ہمارے اندر ظاہر ہوجائے۔ جب شفقت ومہربانی کی وہ صفت جو ہمارے اندر ہوتی ہے کو اللہ تعالیٰ کی صفتِ مہر ومحبت کی جِلا کے ذریعے روشنی پہنچتی ہے اور یہ ہمارے اندر منعکس ہوجاتی ہے تو صرف اس وقت ہی ہم جان سکتے ہیں کہ مہر ومحبت کیا ہوتی ہے۔ ایک حدیثِ قدسی میں ہم پڑھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ۔ (صحیح بخاری، کتاب: التوحید؛ باب: قول اللہ ویحذرکم اللہ نفسہ)

ترجمہ: ''مَیں یقیناً اس خیال کے ساتھ اپنے بندے کے ساتھ معاملہ کرتا ہوں جو وہ میرے بارے میں رکھتا ہے''۔

جب یہ صورتحال ہے تو کوئی کیسے روحانی اور غیر مادّی اشیا کو سمجھ سکتا ہے؟ ہم روحانی طاقت کیسے حاصل کر سکتے ہیں؟ جس طرح ہم تربیت اور ریاضت سے اپنی مادّی طاقت حاصل کرتے ہیں اسی طرح ہی سے روحانی طاقت' روحانی ریاضت اور مجاہدہ سے حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

(۱)۔۔۔ أَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ (الرعد:۲۸)

ترجمہ: ''سُن لو اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے''۔

(۲) ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ O الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ O وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَآ أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ O أُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ O إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ O خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔ (سورۃ البقرۃ:۲۔۷)

ترجمہ: ''وہ بلند رُتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں اس میں ہدایت ہے ڈر والوں کو وہ جو بے دیکھے ایمان لائیں اور نماز قائم رکھیں اور ہماری دی ہوئی روزی میں سے ہماری راہ میں اٹھائیں اور وہ کہ ایمان لائیں اس پر جو اے محبوب تمہاری طرف اترا اور جو تم سے پہلے اترا اور آخرت پر یقین رکھیں وہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی مراد کو پہنچنے والے بیشک وہ جن کی قسمت میں کفر ہے انہیں برابر ہے چاہے تم انہیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان لانے کے نہیں اللہ نے ان کے دلوں پر اور کانوں پر مہر کر دی اور ان کی آنکھوں پر گھٹا ٹوپ ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب''۔

اللہ تعالیٰ، اس کے رسولوں اور اس کی نازل کردہ کتب پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ ہمیں ملائکہ پر ایمان لانے کا بھی حکم ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر مذہب روحانی اشیا کے بارے میں بات کرتا ہے۔ کچھ اہلِ مذہب نے تو اپنے معبودوں اور آسمانی مخلوق کے بُت تراشں رکھے ہیں مگر یہ غلط ہے۔ معبود صرف ایک ہی ہے جس نے سب کو پیدا کیا اور ملائکہ بھی اس کی مخلوق ہیں۔ ملائکہ وہ نورانی مخلوق ہیں جو اس کے احکام کا اِجرا کرتے ہیں اور انہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے احکام چلتے ہیں۔ وہ چونکہ روحانی وجود ہیں اس لیے ان کے جسم کی کوئی شکل نہیں ہے بلکہ وہ جو شکل چاہیں اختیار کرسکتے ہیں۔ جہاں تک ان کے فرائض کا تعلق ہے تو وہ مختلف ہیں۔ ملائکہ کا ایک گروہ ایسا ہے جس کا کام اللہ کی حمد وثنا کے سوا کچھ نہیں۔ بعض ایسے ہیں جن کا کام مظاہرِ فطرت میں اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل درآمد کرانا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: إِذَا قَضَىٰٓ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُۥ كُن فَيَكُونُ۔ (سورۃ آل عمران: ۴۷)

ترجمہ: جب کسی کام کا حکم فرمائے تو اس سے یہی کہتا ہے کہ ہو جا وہ فوراً ہو جاتا ہے۔

آگ ایک مظہرِ قدرت ہے اور یہ اللہ کے حکم کے تحت کام کرتی ہے۔ یہ کیسے کام کرتی ہے؟ یہ اللہ کے اُس اَمر سے کام کرتی ہے جس کا ایک روحانی عکس ہے جسے ہم روح کہتے ہیں۔ یہ آگ ایک فرشتے کے ذریعے کام کرتی ہے جس کی ذمہ داری آگ کے متعلق اللہ کے حکم کی بجا آوری ہے۔ اسی طرح پانی اور دوسرے مظاہر کی ذمہ داریوں کے لیے فرشتے مقرر ہیں جو اللہ کے حکم کی بجا آوری کرتے ہیں۔ بعض ملائکہ ایسے بھی ہیں جو دوسروں سے افضل ہیں۔ روحانی دنیا میں اللہ کی طرف سے ان کا وہ منصب ہے جو انبیا ورسل کا مادّی دنیا میں ہے۔ ان روحانی پیغمبروں میں جبریل علیہ السلام ہیں جنہیں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف روحانی پیغامات دے کر بھیجا جاتا تھا۔ جبریل کو غلطی سے عیسائیوں نے ایک اِلٰہ سمجھ رکھا ہے اور وہ اسے تثلیث کا تیسرا شخص ہولی گھوسٹ (Holy Ghost) بتاتے ہیں۔ بعض خاص ذمہ داریوں کے لیے مقرر ملائکہ میں میکائیل اور اسرافیل بھی ہیں۔ ہم ملائکہ پر ایمان کیوں رکھتے ہیں؟ ہمارے اس ایمان کی بنیاد قرآن مجید میں ان کا ذکر ہے۔ اگر اپنے جائزے سے ہم اس بات کے قائل ہو چکے ہیں کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سچے انسان

تھے اور قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا مستند کلام ہے تو پھر یقیناً ہمیں قرآن کے فرمان پر ایمان لانا چاہیے۔

انہیں اس جبلت کے ساتھ پیدا کیا گیا تھا کہ وہ اللہ کے احکام کی تعمیل کریں اور انہیں دوسروں تک پہنچائیں۔ یہ وہ ہستیاں ہیں جو خالق اور مخلوق کے درمیان رابطہ قائم کرواتی ہیں۔ وہ اس سے احکام حاصل کرتے ہیں اور انہیں اہل دنیا تک پہنچا دیتے ہیں۔ یہاں ان کا کام نظریات پیش کرنا نہیں بلکہ نمونۂ عمل پیش کرنا ہے۔ انسانوں کی یہ مقدس جماعت دین و مذہب کی زبان میں انبیا اور رسل کہلاتی ہے۔

غیر مادّی پیغامات کو ایک غیر مادّی منبع ومصدر سے سُننا اور **نظر نہ آنے والی اشیا کو نظر نہ آنے والے ذرائع سے جاننا**۔ ان اصطلاحات اور محاوروں کے لفظی معانی تو ہیں لیکن ان کے پیچھے درحقیقت کیا ہے؟ کوئی شخص غیر مادّی آوازوں کو کیسے سُن سکتا ہے؟ نظر نہ آنے والی اشیا کیسے دیکھی جاسکتی ہیں؟ ان امور کی تجربے سے وضاحت صرف اس صورت میں کی جاسکتی ہے اگر کسی کے پاس کام لینے کے لیے غیر مادّی آلات ہوں یا کسی کے پاس سابقہ غیر مادّی نمونے ہوں لیکن صورتحال کے موروثی خاصیت کا ہونے کی وجہ سے ہمارے پاس نہ تو کوئی دوسرا نمونہ ہے اور نہ خدا کا کوئی ثانی۔ خدا بے نظیر و بے مثال ہے۔ ہم اس کا کسی سے موازنہ نہیں کرسکتے۔ پھر کیسے کوئی شخص اس قضیے کی توضیح وتشریح کرسکتا ہے جب وضاحت یا موازنے کے لیے مادّی آلات ہمیں دستیاب نہیں ہیں اور جب ایک مادّی مظہر کو غیر مادّی مظہر میں ڈھالنا بھی ناممکن ہے؟ اسی طرح نظر نہ آنے والی اشیا نظر آنے والی اشیا یا مظہر میں بھی منتقل نہیں کی جاسکتیں تو کیسے کوئی شخص اُس طریقہ کار کی وضاحت یا تشریح کرسکتا ہے جس کے ذریعے نظر نہ آنے والی اشیا دیکھی جاسکتی ہیں؟

قصہ مختصر، کسی قسم کا موازنہ پیش نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی کوئی نمونہ بنایا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک شاعر کو لے لیں جو اپنے ولولہ انگیز کیف میں بیٹھا ہے۔ اچانک ہی اس کے ذہن میں مسجع مقفیٰ اشعار کا بہاؤ شروع ہوجاتا ہے۔ یہ کیسے آئے؟ یہ کہاں سے آئے؟ بلاشبہہ یہ آئے تو ہیں لیکن ان کے طریقۂ کار کو لفظوں میں بیان کرنا ناممکن ہے۔ ایک فلسفی

اپنے سوچ و بچار میں مگن ہے یا اس کے ذہن میں مختلف نظریات گردش کر رہے ہیں۔ انجام کار وہ ایک ایسے جدید نکتے پر پہنچتا ہے جس کی مثال پہلے کہیں نہیں تھی یا اس نے خود بھی اسے نہ تصور کیا تھا اور نہ ہی ممکن سمجھا تھا۔ ایک کیمیا دان اپنی تجربہ گاہ میں متنوع الاقسام مرکبات کی تیاری میں مصروف ہے۔ بغیر کسی ادنی تأمل اور توقع کے اس کے ذہن میں بالکل ایک نئی شے جنم لیتی ہے؛ وہ اس کی آزمائش کرتا ہے اور ایک نیا فارمولہ دریافت کر لیتا ہے۔ یہ کہاں سے آیا؟ اور یہ کیسے آیا؟

یہ کہاں سے آیا؟ کے سوال کا تو شاید یہ جواب ہوسکتا ہے کہ یہ اس کی ذہانت یا دانائی جو اس کے جسم کے بہترین عضو دِماغ میں موجود ہے سے آیا لیکن یہ سوال کہ یہ کیسے آیا ویسے ہی رہ جاتا ہے اس کا بالکل کوئی جواب نہیں دیا جاسکتا۔

جب ہم اس طریقۂ کار کی وضاحت سے قاصر ہیں جس کے ذریعے اشیا ہمارے اپنے ذہن سے سامنے آتی ہیں تو ہم کیسے اس طریقۂ کار کی حقیقت کی توضیح وتشریح کر سکتے ہیں جس کے ذریعے پیغامات ہمارے ذہن تک پہنچتے ہیں پھر سفر کرتے کرتے ہماری زبان تک آتے ہیں اور آخر میں بولے ہوئے لفظوں یعنی انسانی گفتگو کے ذخیرۂ الفاظ کی معین و محدود صورت اختیار کر لیتے ہیں؟

اس سلسلے میں گراموفون کے وسیلے سے آواز اور گیتوں کی تخلیق مکرّر غور وفکر کی مستحق ہے۔ گراموفون بذاتِ خود ایک موٹر پر مشتمل ہوتا ہے جو ایک ایسی پلیٹ پر گھومتی ہے جس پر ریکارڈ کو رکھا جاتا ہے اور جونہی ریکارڈ گھومتا ہے اس کی جھریوں والی سطح پر ٹکائی گئی ایک سوئی ریکارڈ سے ساؤنڈ بکس میں مختلف ارتعاشوں کو منتقل کرتی ہے جو آواز کو فراخی دینے والی ایک جگہ پر لے جا کر ریکارڈ شدہ آواز کو قابلِ سماعت بنا دیتا ہے۔ ریکارڈ محض آنکھ سے دیکھ کر سمجھنے کے لیے ایک بہت پیچیدہ معاملہ ہے بلکہ ایک خوردبین سے دیکھ کر سمجھنے کے لیے بھی یہ ایسے ہی ہے۔ بہر حال اس پر جو نظر آتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ سطح باریک لکیروں اور چھوٹے چھوٹے نقطوں کا جنگل ہے ان میں بعض آہستہ اور بعض بلند آواز کے حامل ہوتے ہیں۔ ضربات کی شدت میں تنوع آواز کی لہروں میں تنوع کی وجہ سے ہوتا ہے جنہیں ریکارڈنگ

کے عمل کے دَوران ریکارڈنگ کے آلات کے ذریعے ایسا جان بوجھ کر بنایا گیا تھا۔ اس طرح ہمارا ریکارڈ بنتا ہے۔ لیکن یہ سارا بیان اس بات کی وضاحت کرنے میں ناکام رہتا ہے کہ اتنی خوب صورتی سے گائے گئے گیت، ماضی میں اور بعض اوقات ماضیٔ بعید میں مسحور کُن اَنداز میں پیش کی گئی لَے کیسے الفاظ و انداز کی اتنی درستی اور صحت کے ساتھ دوبارہ اس لمحے سُنی جا سکتی ہے جب ہم اپنے گراموفون کو چلاتے ہیں اور گھومنے والی پُراسرار پلیٹ پر سوئی کو ٹکاتے ہیں؟ اس میں قید آواز کو آزادی ملتی ہے، حیران کُن موسیقی ہمارا دل موہ لیتی ہے اور ہم اس کے اثر سے ساکت و جامد بیٹھے رہ جاتے ہیں۔ ہاں آج ہزاروں گراموفون استعمال کیے جاتے ہیں لیکن ان کے سُننے والوں میں سے کتنے اس لائق ہیں جو اُس طریقۂ کار کی حقیقت پر اطمینان بخش روشنی ڈال سکتے ہیں جس کے ذریعے مشین کام کرتی ہے؟

عام سامعین کی تو بات ہی نہ کریں اگر آپ ریکارڈ اور گراموفون بنانے والوں سے بھی سوال کریں تو وہ آپ کو صرف یہ جواب دے سکیں گے: ''ہاں، ایک طریقِ عمل ہے ہم اس پر چلتے ہیں اس کے ذریعے ہمیں یہ نتائج ملتے ہیں''۔ تاہم گراموفون کی ساخت پر غور کرنے، ریکارڈ کی شکل وصورت کا مشاہدہ کرنے اور آواز سُننے کے بعد ہمیں یہ ایک بات ملتی ہے کہ یہ گیت ہُو بہُو ویسے ہی ہے جیسے یہ ریکارڈ میں ایک مقررہ وقت پر کسی طریقے سے مقید کرنے سے پہلے تھا۔

آیئے اب ہم تازہ ترین دریافت سینما کا جائزہ لیتے ہیں۔ اس میں ہم دیکھتے ہیں کہ پردہ پر اداکاروں کے نہ صرف حرکات وسکنات منعکس ہوتے ہیں بلکہ اُن کے مکالمے اور آوازیں بھی بیک وقت وجود میں آتے ہیں اور بالکل صاف ہمیں سُننے کو ملتے ہیں۔

جب اداکاروں کی حرکات کو فلم پر نقش کیا جاتا ہے تو ان کی آواز کی لہروں کو ایسا بنایا جاتا ہے کہ وہ ساتھ ساتھ بیک وقت ان کے منہ سے نکلتی نظر آتی ہیں اور جونہی فلم کو مشین پر چلایا جاتا ہے اور بجلی کی شعاعیں ان پر ڈالی جاتی ہیں اداکاروں کی متحرک تصویریں پردہ پر پڑتی ہیں؛ ان کے مکالمے ان کے ہمراہ چل پڑتے ہیں؛ اَفلام پر شعاعوں کا آواز کے ساتھ رابطہ وہ کام کرنا شروع کر دیتا ہے جو گراموفون پر سوئی کا تعلق کرتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ آپ نے سینما کی فلمیں دیکھی ہوں گی، آپ کی آنکھوں نے مناظر کے عکس دیکھے ہوں گے؛ پردہ پر سے آتی اداکاروں کی آواز بھی تمہارے کانوں نے سُنی ہوگی۔ ہم نے ابھی آپ کے سامنے عام زبان میں اس سارے عمل کو بیان کیا ہے لیکن کیا اس سارے بیان سے آپ اس سائنسی طریقے کو سمجھنے کے مکمل طور پر لائق ہو گئے ہیں جو اِس مظہر کو ممکن بناتا ہے؟ تصویروں کا عکس تو شاید تمہارے آئینہ میں اپنی تصویر دیکھنے کے عام تجربے کی وجہ سے قابل فہم ہو لیکن کیا تم اداکاروں کی حرکات کو پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے ادا کردہ مکالموں کی ٹھیک ٹھیک تخلیق مکرر کی فنکاری کا پورا ادراک کر سکتے ہو؟ اب آیئے ہم اپنے جیسے عام کو ایک طرف رہنے دیتے ہیں مگر وہ لوگ بھی جو اس سائنس کے عادی ہیں اور وہ روزانہ اسے اپنے اجتماعات میں استعمال کرتے ہیں حتیٰ کہ خود اِس کا موجد بھی پیمائشوں کے سلسلے یعنی اس کے عمل کے لیے درکار کئی طریقوں، مقداروں اور سائنسی طریقِ عمل کو ہمیں سمجھانے کے لیے زبان کے وسیلے کو نا کام پائے گا بالخصوص جب ہم سائنسی زبان میں بات کرنے اور سمجھنے سے ناواقف ہوں۔

قیامت اور یوم الآخر کے سوال پر بحث کرنے سے پہلے ہمیں کائنات کی تخلیق کے بارے میں اسلام کے تصور کو سمجھنا چاہیے۔ جب ہم اس موضوع کو سامنے رکھتے ہیں تو بہت سے سوالات ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً ہم خود سے سوال کرتے ہیں: دنیا کو کیوں پیدا کیا گیا ہے؟ یہ کیسے وجود میں آئی؟ ہم نے خود کو قائل کرلیا ہے کہ ایک قادرِ مُطلَق کی ذات ہے جس نے اس پوری کائنات کو پیدا کیا ہے لیکن اس نے اسے کیوں پیدا کیا؟ اور یہ کیسے وجود میں آئی؟ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا: ''من عرف نفسه فقد عرف ربه'' جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

لہٰذا ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے مطابق اگر ہم اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کو سمجھنا چاہتے ہیں تو ہمیں خود اپنی صفات پر غور کرنا چاہیے۔ ایسا کیوں ہے؟ کائنات میں انسان کا مقام کیا ہے؟ اور ہم اپنی صفات پر غور کرتے ہوئے خدا کو کیسے سمجھ سکتے ہیں؟ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً۔

۔(سورۃ البقرۃ:۳۰)

ترجمہ:اور (یاد کرو) جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا مَیں زمین پر اپنا نائب بنانے والا ہوں''۔

خلیفہ وہ ہوتا ہے جو اپنے مالک کے پیچھے اس کی جگہ سنبھالتا ہے یعنی جو اپنے مالک کی صفات کے عکس سے متصف ہوتا ہے۔اس طرح انسان میں اس کے مالک کی صفات منعکس ہوتی ہیں جو زمین پر اس کا خلیفہ ہے اور جب اللہ کی صفات ہمارے اندر منعکس ہوتی ہیں تو ہمیں اپنے اندر دیکھنا چاہیے تاکہ اللہ کی صفات کے عکس کو سمجھ کر ہم اللہ کی صفات کو سمجھ سکیں اور پھر خود اسے سمجھ سکیں۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَفِي الْأَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ O وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ O (سورۃ الذّٰریٰت:۲۰۔۲۱)

ترجمہ:''اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین والوں کو اور خود تم میں تو کیا تمہیں سوجھتا نہیں''۔

اگر اللہ تعالیٰ کو جاننا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے آپ کو دیکھنا چاہیے۔ہم دیکھتے ہیں کہ ایک فنکار کی صفات اس کے پیدا کردہ فن میں پائی جانی چاہئیں۔اسی طرح ایک بڑھئی کی صفات اور اہلیت کا مرتبہ اُن کرسیوں اور میزوں میں نظر آتا ہے جنہیں اس نے بنایا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات اس کی مخلوق،سورج،چاند،ستاروں اور زمین میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ایک عرب شاعر کہتا ہے:''ہر ایک چیز میں ایسی نشانیاں پائی جاتی ہیں جو دلالت ہیں کہ انہیں ایک عظیم کاریگر نے بنایا ہے۔''

اگر ہم اس کائنات پر غور کریں تو ہم اللہ تعالیٰ کی بعض صفات دیکھتے ہیں۔دریاؤں میں پانی بہہ رہا ہے،کھیتوں میں سبزیاں اُگ رہی ہیں اور کانوں میں ہیرے موتی چمک رہے ہیں۔یہ صفات ہمارے اندر بھی پائی جاتی ہیں۔اگر پانی کے بہنے کی صفت کو تلاش کرنا چاہیں تو ہم اسے اپنی رگوں میں بہتے خون کی صورت میں دیکھ سکتے ہیں۔اگر ہم اُگتی سبزیوں کی صفت کو تلاش کریں تو یہ ہمیں اپنے اُگتے بالوں کی صورت میں ملے گی اور اگر ہم سیپیوں میں چمکتے موتیوں کی صفت کو تلاش کرنا چاہیں تو اسے ہم اپنی آنکھوں کو ان کے خول میں چمکنے

کی حالت میں دیکھ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ہر صفت کا عکس ہمارے اندر پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۔۔(البقرۃ:۳۰)

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا مَیں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں‘‘۔

ساری کائنات صفاتِ الٰہیہ کا مظہر اور عکس ہے اور یہی عکس ہمارے اندر بھی ہے۔ اگر ہم کسی درخت کا بیج لیں تو ہمیں بیج کے سوا کچھ نظر نہیں آتا لیکن ہم جانتے ہیں کہ اس بیج میں شاخیں، پتے اور پھل ہیں اور اگر ہمیں ایسی خوردبین مل جائے جو اِن اشیا کو ہمیں دکھا سکتی ہو تو پھر اس بیج میں ہم شاخیں، پتے اور پھل دیکھ بھی سکتے ہیں۔ اسی طرح انسان بھی پوری کائنات کا بیج ہے۔

لہٰذا اگر ہم اس سوال کا جواب حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ یہ ساری دنیا کیوں پیدا کی گئی تو ہمیں اپنے آپ پر غور سے دیکھنا پڑے گا۔ اس دُنیا میں ہر انسان کی فطری اور جبلی خواہش ہے کہ کوئی اس کے پیدا کیے گئے فن کو دیکھے اور تعریف کرے۔ مثلاً ایک فنکار کی خواہش ہے کہ کوئی اس کے فن کو دیکھے اور اس کی خوبیاں بیان کرے۔ اسی طرح ایک گلوکار چاہتا ہے کہ کوئی اس کے گیت سُنے اور اس کی تعریف کرے۔ اسی طرح ایک خطیب پسند کرتا ہے کہ کوئی اسے سُنے اور اس کے فنِ خطابت کی تعریف کرے۔ بنی نوع انسان کا یہ وصف درحقیقت اللہ تعالیٰ کی صفت کا عکس ہے۔

اللہ تعالیٰ کی جو بھی صفات ہیں اس نے یہ چاہا کہ کوئی ایسی لائق ذات ہونی چاہیے جو اس کی ہر ایک صفت کی تعریف کر سکے۔ ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’مَیں ایک مخفی خزانے کی طرح تھا۔ میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں اس لیے مَیں نے ساری کائنات کو پیدا کیا‘‘۔

r r r r

سبق نمبر سات

جب ہم یہ جان لیتے ہیں کہ کائنات کو ایک علیم وقدیر ذات نے پیدا فرمایا ہے تو ہم اپنے ذہن میں آنے والے دوسرے سوالوں کو بھی حل کرنے کی پوزیشن میں آجاتے ہیں۔ اگر اللہ ہی نے ہمیں پیدا فرمایا ہے تو پھر کچھ لوگوں کو غریب اور کچھ کو امیر کیوں بنایا گیا ہے؟ اللہ تعالیٰ ہم سب کو جبراً نیک کیوں نہیں بنا دیتا؟ وہ اس دُنیا میں بُرائی کو باقی رہنے کی اجازت کیوں دیتا ہے؟ اگر ایک فنکار کوئی منصوبہ یا تصویر بنائے اور کچھ چیزوں کو ایک جگہ اور کچھ کو دوسری جگہ رکھے، مثلاً وہ اپنے گھر میں غسل خانے کو ایک خاص جگہ بناتا ہے اور دوسری جگہ نہیں اور ہم پوچھیں کہ اس نے ایسا کیوں کیا ہے؟ تو اس کا جواب یقیناً یہی ہوگا کہ اس نے یہ جگہ ایسے ہی منتخب نہیں کی بلکہ اس کے علم میں کچھ تقاضے ہیں اس نے انہیں پورا کرنے کے لیے ایسا کیا ہے۔ اگر ہم پھر بھی جاننا چاہیں کہ اس نے ایسا کیوں کیا ہے تو ہمیں اس کے ساتھ رہنا پڑے گا اور ہم سمجھ جائیں گے کہ اس کے ذہن میں کیا ہے۔ مزید برآں اگر ہم جاننا چاہیں کہ کوئی کاریگر کسی ڈیزائن کو ایک خاص انداز میں کیوں بناتا ہے تو ہمیں خود ایک کاریگر بننا پڑے گا۔ ایک فنکار اور کاریگر ہی جانتا ہے کہ اس نے ایک چیز ایسے کیوں بنائی ہے اور ویسے کیوں نہیں بنائی۔ کوئی غیر فنکار اس راز کو نہیں جان سکتا۔ لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو انتخاب اور اختیار کرنے کی صلاحیت بخشی ہے کہ ایک چیز کو وہ منتخب کرے اور دوسری کو نہ کرے تو اللہ ہی جانتا ہے کہ اس نے اسے ایسا کرنے کی اجازت کیوں دی۔ اگر ایک سُنار سونے کو صاف کرنا چاہتا ہے تو وہ اسے آگ ہی میں جلائے گا۔ اب اگر ہم اس سے پوچھیں کہ وہ سونے کو آگ میں کیوں جلاتا ہے اور اسے کیوں اذیت پہنچاتا ہے تو وہ جواب دے گا کہ اسے معلوم ہے سونے کو صاف کرنے کا یہی طریقہ ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر بھی بعض اوقات دوائیوں میں زہر ملا دیتے ہیں۔ اگر ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں تو ہم خود ڈاکٹر بن کر ہی اسے سمجھ سکیں گے۔ ہمیں بعض چیزیں فضول اور احمقانہ نظر آئیں گی لیکن فنکار

جس نے انہیں بنایا ہے اس کی نظر میں وہ ایسی نہیں۔ اگر ہم یہ ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ حکیم ہے اسے ہر چیز کا علم ہے تو ہمیں یقیناً یہ ماننا پڑے گا کہ اس کے ہر کام کا کوئی نہ کوئی مقصد بھی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

۱) إِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ O الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ (سورۃ آل عمران: ۱۹۰۔۱۹۱)

ترجمہ: ''بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کی باہم بدلیوں میں نشانیاں ہیں عقل مندوں کے لیے جو اللہ کی یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں اے رب ہمارے تو نے یہ بیکار نہ بنایا پاکی ہے تجھے تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے''۔

۲) وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ۔ (سورۃ الانبیا:۱۶)

ترجمہ: ''اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے عبث نہ بنائے''۔

ہر چیز ایک مقصد کے تحت پیدا کی گئی ہے۔ ہر چیز کو حکمت کے تحت پیدا کیا گیا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ۔ (سورۃ المؤمنون:۱۱۵)

ترجمہ: ''تو کیا یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تمہیں بیکار بنایا اور تمہیں ہماری طرف پھرنا نہیں''۔

اس دُنیا میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ایک صاحبِ عقل کوئی چیز خواہ مخواہ نہیں بناتا تو پھر اللہ کے لیے کائنات یعنی آسمانوں، زمین اور انسانوں کو بلا مقصد پیدا کرنا کیسے ممکن ہے۔ خدا نے ہمیں کیوں پیدا کیا؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے انسان ہم نے ساری کائنات تیرے لیے پیدا کی ہے اور تجھے اپنے لیے۔

ایک حدیث قدسی میں ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میں ایک مخفی خزانہ تھا۔ مَیں نے چاہا کہ مجھے اور میری صفات کو جانا اور سمجھا جائے۔ اس لیے مَیں نے کائنات کو

پیدا کیا۔''

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۔ (سورۃ الذٰریٰت: ۵۶)

ترجمہ: ''اور مَیں نے جن اور انسان کو نہیں پیدا کیا مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں''۔ (البیان، علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ)

معلوم ہوا ہماری تخلیق کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جانیں اور اس کی عبادت کریں۔ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت صرف اس صورت میں کر سکتے ہیں کہ اسے جانتے ہوں۔

جب مَیں سیلون میں تھا میرے ساتھ میرے ایک شاگرد تھے مسٹر سوراج، جو اَب فوت ہو چکے ہیں۔ انہوں نے ایک بار مجھ سے پوچھا اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی مادّے کے کائنات کو کیسے پیدا کیا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اللہ سے پہلے کچھ نہیں تھا''۔

اس نے مجھے کہا کہ جب اس کے سوا اور کچھ نہیں تھا تو پھر کیسے اللہ تعالیٰ نے عدم سے کائنات کو پیدا کیا؟ مَیں نے اس سے پوچھا: بمبئی میں تاج محل ہوٹل کبھی گئے ہو؟ اس نے کہا: ہاں۔ مَیں نے اس سے پوچھا: کیا تمہیں یاد ہے کہ اس کی عمارت کتنی بڑی ہے اور اس کے کمرے کتنے بڑے ہیں؟ اس نے کہا: ہاں۔ پھر مَیں نے اس سے پوچھا: کیا تو دہلی کی جامع مسجد گیا ہے اور کیا تمہیں اس کا شاندار حسن یاد ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ اسی طریقے سے میں نے اس سے پوچھا: کیا تمہیں دوسری وہ عمارتیں بھی یاد ہیں جو تم نے دیکھی ہیں؟ پھر میں نے اسے کہا: جب میں نے تم سے تاج محل ہوٹل کے بارے میں پوچھا تو کیا ہوٹل تمہارے ذہن میں نہیں تھا اور کیا تم نے اس کی ساری تفصیل دیکھی نہیں تھی؟'' اس نے کہا: ہاں ایسے ہی ہے۔ پھر جب میں نے تم سے جامع مسجد کے بارے میں پوچھا تو کیا تم نے تاج محل ہوٹل سے اپنی توجہ ہٹا نہیں لی تھی؟ اس نے کہا: ہاں۔ کیا تاج محل ہوٹل تمہارے ذہن میں تباہ نہیں ہو گیا تھا؟ اس نے کہا: ہاں۔ اس سے دوسری عمارتوں کے بارے میں اسی جیسے کچھ سوالات کرنے کے بعد میں نے اسے کہا: تم نے یہ ساری عمارتیں کیسے تعمیر کر لی تھیں؟ کتنے ٹن سیمنٹ اور کتنے پتھر تم نے استعمال کیے؟ اسے یہی جواب دینا پڑا کہ انہیں اس نے ذہن میں تعمیر کیا تھا۔

جونہی اس نے ان کا خیال کیا وہ موجود ہو گئے اور جب اس نے انہیں بُھلا یا ان کا وجود ختم ہو گیا۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ (سورۃ الانعام: ۷۳)

ترجمہ: ''اور وہی ہے جس نے آسمان وزمین ٹھیک بنائے اور جس دن فنا ہوئی ہر چیز کو کہے گا ہو جا وہ فوراً ہو جائے گی''۔

زمان ومکان کا وجود اسی وقت تک رہتا ہے جب تک مادّی اشیا سے ہمارے علم کا تعلق رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ زمان ومکان سے پاک ہے۔ اس نے فرمایا ہے: ساری کائنات اللہ تعالیٰ کے خیال واِرادے میں ہے۔

یہ اس وقت تک رہے گی جب تک وہ چاہے گا اور یہ ختم ہو جاتی ہے اگر وہ اسے نہ چاہے۔ اس لیے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ایک یوم الآخر ہونا چاہیے۔ جیسے کہ قرآن مجید فرماتا ہے: اللہ تھا، اللہ ہے اور وہ رہے گا۔ ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی صفات کا عکس ہیں۔

سائنسدان پوچھ سکتے ہیں کہ کیسے پہاڑ، سمندر، سورج، چاند اور ستارے غائب ہو سکتے ہیں۔ اگر کوئی شخص سائنس کا مطالعہ کرے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ زمین وآسمان میں تمام اجسام پہاڑ، سمندر، سورج، ستارے اور سیارے اپنے اندر توانائی رکھتے ہیں۔ ہم نے دیکھا ہے کہ تمام مادّہ الیکٹرانوں اور پروٹانوں کی گردش پر مشتمل ہے۔ اس لیے مادّہ کسی نہ کسی قسم کی توانائی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ سورج، سیّارے، زمین اور چاند مقناطیسی قوت کی وجہ سے اپنی جگہوں پر برقرار ہیں جو کہ خود توانائی کی ایک قسم ہے۔ توانائی یا کشش ثقل۔ مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ سورج زمین کو کھینچتا ہے اور زمین سورج کو۔ اسی طرح یہ معاملہ دوسرے سیّاروں کے ساتھ بھی ہے۔ جتنا عرصہ یہ مقناطیسی قوت اور یہ توانائی باقی رہے گی اتنا عرصہ یہ سارا نظام ٹھیک طور پر چلتا رہے گا۔ آیئے اب یہ معلوم کریں کہ کیا یہ توانائی یا مقناطیسی قوت بڑھ رہی ہے یا کم ہو رہی ہے۔ سائنسدانوں کا جواب یہ ہے کہ تحقیق نے یہ ثابت کیا ہے کہ کائنات کی توانائی درحقیقت کم ہو رہی ہے۔ ہر گھنٹے، ہر منٹ، ہر سیکنڈ یہ توانائی خرچ ہو رہی ہے اور گھٹ رہی ہے۔ کمی کی رفتار یقیناً سست ہے لیکن یہ مسلسل جاری

ہے اور ایک وقت ایسا آئے گا جب ساری توانائی خرچ ہو کر ختم ہو جائے گی اور پھر سارا مادّہ بھی غائب ہو جائے گا اور پورا نظامِ شمسی خود بخود تباہ ہو جائے گا۔

اگر ہم مادّہ پر فلسفے کے نقطۂ نظر سے غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ فلاسفہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ دُنیا ہر روز تبدیل ہو رہی ہے۔ یہ مفروضہ فلاسفۂ یونان کا قائم کردہ ہے اور اسے دوسرے تمام فلاسفہ نے قبول کیا ہے۔ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو تبدیل ہو رہی ہے کسی نہ کسی طرح ایک دن اپنے اختتام کو پہنچے گی اور غائب ہو جائے گی۔ اس طرح ہمارے پاس دو مقدمات ہیں: دُنیا تبدیل ہو رہی ہے اور تبدیل ہونے والی ہر شے کو ختم ہو جانا ہے۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ دنیا کو ختم ہو جانا ہے۔

عقلِ سلیم پر مبنی ہماری یہ دلیل ظاہر کرتی ہے کہ ساری مخلوق ایک دن کافور ہو جائے گی۔ سائنسدان کہتے ہیں کہ جب وہ توانائی کہ جس پر مادّہ باقی ہے ختم ہو جائے گی تو تمام اشیا مفقود ہو جائیں گی۔ فلاسفہ بھی کہتے ہیں کہ ایک دن سب چیزیں ناپید ہو جائیں گی۔ اور اخیر میں تمام ادیان و مذاہب بالخصوص ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نازل ہونے والی تعلیمات اور جو قرآن مجید میں ہے وہ بھی ہمیں یہی سمجھاتی ہیں کہ ایک آخری دن ''یوم الآخر'' ہوگا۔ اسی لیے یوم الآخر پر ہمارا ایمان لانا ناگزیر ہے۔

یہ آخری دن کیسے آئے گا؟ ہم اس کے بارے صرف اتنا ہی جانتے ہیں جتنا اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن مجید میں بتایا ہے۔ دُنیا اس وقت ختم ہو جائے گی جب اللہ تعالیٰ اسے حکم فرمائے گا۔ بالکل ایسے جیسے اس کی تخلیق کے وقت اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا تھا۔ ہم جان چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے احکام فرشتوں کے ذریعے نافذ کیے جاتے ہیں اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اس مقصد کے لیے اس کے ایک عظیم فرشتے کی ڈیوٹی لگ چکی ہے۔ اس کا نام اسرافیل ہے۔ ایک حدیث میں ہے، ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اسرافیل اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کر رہا ہے۔ جب اسے حکم ملے گا وہ صور اپنے ہاتھ میں اُٹھائے گا اور اُسے پھونکے گا۔ پہلے پہل لوگ ایک لذیذ موسیقی سُنیں گے اور اپنے گھروں اور بستیوں سے باہر آجائیں گے۔ پھر یہ موسیقی سخت اور ناپسندیدہ بنتی جائیگی حتیٰ کہ پوری دُنیا اپنے تمام قدرتی مظاہر کے

ساتھ تباہ ہو جائے گی۔ (مثلاً حوالے کے لیے دیکھئے: مسند امام احمد، کتاب: مسند المکثیرین من الصحابہ، باب: مسند عبداللہ بن عمرو بن العاص)

آخرت سے متعلق واقعات قرآن مجید میں بیان کیے گئے ہیں۔ تاہم ہمیں اس بیان کو لفظی طور پر نہیں لینا چاہیے۔ پوری تصویر اسے بیان کرنے کے لیے شاعرانہ انداز میں کھینچی گئی ہے کیونکہ اسے مناسب انداز میں لفظوں میں پیش نہیں کیا جا سکتا اور اسے ہماری انسانی صلاحیتیں موجودہ محدود قوت کے ساتھ سمجھنے کے لیے تیار نہیں۔

۱) فَإِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْO وَإِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْO وَإِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْO وَإِذَا الرُّسُلُ أُقِّتَتْO لِأَيِّ يَوْمٍ أُجِّلَتْ۔ (سورۃ ۷۷:۸۔۱۲)

ترجمہ: ''پھر جب تارے محو کر دیئے جائیں اور آسمان میں رخنے پڑیں اور جب پہاڑ غبار کر کے اڑا دیئے جائیں اور جب رسولوں کا وقت آئے کس دن کے لیے ٹھہرائے گئے''۔

۲) فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌO وَحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةًO فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُO وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ۔ (سورۃ الحآقۃ: ۱۳۔۱۶)

ترجمہ: ''پھر جب صور پھونک دیا جائے ایک دم اور زمین اور پہاڑ اٹھا کر دفعتاً چورا کر دیئے جائیں وہ دن ہے کہ ہو پڑے گی وہ ہونے والی اور آسمان پھٹ جائے گا تو اس دن اس کا پتلا حال ہوگا''۔

۳) إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًّاO وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّاO فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْبَثًّا۔ (سورۃ الواقعۃ: ۴۔۶)

ترجمہ: ''جب زمین کانپے گی تھرتھرا کر اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے چورا ہو کر تو ہو جائیں گے جیسے روزن کی دھوپ میں غبار کے باریک ذرّے پھیلے ہوئے''۔

۴) يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ O تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُO قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌO أَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ۔ (سورۃ النازعات: ۶۔۹)

ترجمہ: ''جس دن تھرتھرائے گی تھرتھرانے والی، اس کے پیچھے آنے والی، کتنے دل

اس دن دھڑکتے ہوں گے، آنکھ اوپر نہ اُٹھا سکیں گے''۔

۵) يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ۔ (سورۃ الحج:۲)

ترجمہ: ''جس دن تم اسے دیکھو گے ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے کو بھول جائے گی اور ہر گابھنی اپنا گابھ ڈال دے گی اور تو لوگوں کو دیکھے گا جیسے نشہ میں ہیں اور وہ نشہ میں نہ ہوں گے مگر ہے یہ کہ اللہ کی مار کڑی ہے''۔

۶) يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ط لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ط لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ (سورۃ المؤمن:۱۶)

ترجمہ: ''جس دن وہ بالکل ظاہر ہو جائیں گے اللہ پر ان کا حال چھپا نہ ہوگا آج کس کی بادشاہی ہے ایک اللہ سب پر غالب کی''۔

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب یوم الآخر آئے گا اور کچھ بھی نہیں ہوگا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''اب فتح کس کی ہے؟'' اللہ خود ہی فرمائے گا: ''اللہ تھا اور اللہ ہے''۔

آخری دن کے بعد ایک اور دنیا ہوگی یعنی عالمِ قیامت، دوبارہ جی اُٹھنے کا دن۔ اس کے متعلق ہم اگلے سبق میں بات کریں گے۔

ہم نے اپنے گذشتہ سبق میں یوم الآخر اور پوری کائنات کی تباہی سے بحث کی تھی پھر اس موضوع پر عقلی، سائنسی تحقیقات، فلسفے اور اخیر میں قرآن مجید کے حوالے سے بھی بحث کی تھی۔ جہاں تک غیر مادّی اور مافوق الطبیعات اشیا کا تعلق ہے ہم انہیں کسی تجربے اور عقلی دلائل سے اپنی ذہانت کی گرفت میں نہیں لے سکتے بلکہ ہم ان کے بارے میں صرف قادرِ مُطلَق کی وحی سے جان سکتے ہیں۔ اس دنیا کا خالق اللہ تعالیٰ ہر شے جانتا ہے اور یہ اس کے پیغمبروں پر نازل کردہ وحی سے ممکن ہوا ہے کہ ہم غیب کی چیزوں کے بارے میں جان سکے ہیں۔

قرآن مجید قیامت کے بارے میں بات کرتا ہے اور دوسرے مذاہب نے بھی دوبارہ

پیدائش اور کائنات کی حیات بعد الممات کے بارے میں بحث کی ہے۔ ہم اس حیات بعد الممات کے متعلق صرف وحیٔ الٰہی کے وسیلے سے ہی جان سکتے ہیں کیونکہ کوئی دوسرا طبیعی ذریعہ موجود نہیں۔ ہمیں یہ حقیقت تسلیم کرنا ہوگی کہ وحیٔ الٰہی ہی حیات بعد الممات کے بارے میں معلومات بہم پہنچاتی ہے۔ وہ سوال جس پر ہمیں غور کرنا ہے یہ کہ کیا یہ ممکن بھی ہے؟ غیر مسلم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس یہ اعتراض لے کر آئے تھے اور کہا تھا: ''یہ کیسے ممکن ہے جبکہ ہم مردہ اور تباہ ہو چکے ہوں گے، جب پوری دنیا تباہ ہو چکی ہوگی تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم دوبارہ پیدا ہو جائیں؟'' حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا تھا: ''اگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں عدم سے پیدا کر لیا تھا تو کیا اس کے لیے تمہیں دوبارہ پیدا کرنا مشکل ہے؟''

ایک وقت تھا جب بنی نوع انسان کا وجود نہیں تھا۔ اگر ہم یہ یقین کرتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تو ہمیں یہ یقین بھی کرنا چاہیے کہ وہ ہمیں دوبارہ بھی پیدا کر سکتا ہے۔ اگر ہمیں اپنی تخلیق کے بارے میں شک ہے تو تب ہم حیات بعد الممات کے بارے میں بھی شک کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

۱) مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَفِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ ۔ (سورۃ طٰہٰ:۵۵)

ترجمہ: ''ہم نے زمین ہی سے تمہیں بنایا اور اسی میں تمہیں پھر لے جائیں گے''۔

۲) جیسا ہم نے تمہیں پہلی بار بنایا تھا ویسے ہی دوسری بار بنائیں گے۔ (دیکھئے: سورۃ الکھف:۴۸؛ سورۃ الانعام:۹۴؛ سورۃ الإسرا:۵۱)

r r r r

سبق نمبر آٹھ

آیئے دیکھیں حیات بعد الموت کے امکان کے بارے میں فلسفی کیا کہتے ہیں۔ فلسفی امکان کی تعریف یوں کرتے ہیں: ''جس چیز کا ہم تصور کر سکتے ہیں اس کے ممکن ہونے کے بارے میں کوئی شک نہیں۔'' اگر ہم اپنی پیدائش کا تصور کر سکتے ہیں تو ہم اپنی دوسری پیدائش کا تصور بھی کر سکتے ہیں۔ کیا حیات بعد الموت ہوگی یا نہیں ہم اسے فلسفے کے ذریعے نہیں جان سکتے کیونکہ ہم مستقبل کے بارے میں نہیں جان سکتے۔ جہاں تک ہمارے ماضی کے تجربے کا تعلق ہے ہم دیکھتے ہیں کہ ہم عدم سے وجود میں آئے لہٰذا ہم دوبارہ عدم سے وجود میں آ سکتے ہیں۔

جب ہم اصحابِ سائنس کے نقطۂ نظر کو دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ سائنس اس قابل نہیں کہ ہمیں بتا سکے کہ ہم اس دُنیا میں کیسے آئے ہیں۔ زندگی کیا ہے؟ اور اس زندگی کو کہاں پایا جا سکتا ہے؟ سائنس دان اِن سوالوں کے جواب نہیں دے سکتے۔ وہ صرف یہ کہہ سکنے کے قابل ہوئے ہیں کہ دماغ میں کوئی چیز ہے جو ہمیں زندگی عطا کرتی ہے مگر یہ چیز کیا ہے؟ جب ہمیں یہ معلوم ہو گیا کہ سائنس دان ہمیں زندگی کے بارے میں نہیں بتا سکتے تو کیسے وہ ہمیں حیات بعد الموت کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہیں؟

ہمارا وجود (Self) جسم اور روح کا مجموعہ ہے۔ نیند کے دوران ہمارے جسم اور روح میں کسی حد تک علیحدگی ہو جاتی ہے۔ جب ہم مر جاتے ہیں یہ جدائی مقابلۃً زیادہ ہو جاتی ہے لیکن اس کے باوجود بھی یہ کامل جدائی نہیں ہوتی۔ جسم اور روح میں ایک تعلق پھر بھی رہتا ہے اور ان کا دوبارہ اکٹھا ہو جانا ممکن ہے۔

ہمارا انسانی جسم کیا ہے؟ مادّہ کیا ہے؟ سائنسی ترقی کے دورِ حاضر میں ابھی مادّے کی تعریف کرنا ممکن نہیں کیونکہ مادّہ حقیقت میں جو کچھ ہے ایک ایسا معمّہ ہے جسے بہترین انسانی دماغوں کی کوششوں کے باوجود حل نہیں کیا جا سکا۔ کیمیائی طریقے سے اس کا کامیاب تجزیہ تو

دور کی بات ہے بڑے بڑے سائنسدان اس کی حقیقت کی صرف تصویر بھی نہیں کھینچ سکے۔ اس وقت تک کی سائنسی تحقیق کا نقطۂ عروج پروٹان اور الیکٹران کا صرف نظریہ قائم کرنا ہے جس کے مطابق پروٹان اور الیکٹران کی شعاع ریزیاں کائنات کی بنیاد ہیں اور اپنی ٹھوس حالت میں ہر جسم انہی شعاعوں کا نتیجہ ہے۔ ''The World of Wonder'' میگزین مادّے کے بارے میں کہتا ہے۔ ''مادّہ بہت ٹھوس نظر آتا ہے لیکن سائنسدان ہمیں بتاتے ہیں کہ اگر ایٹموں کی وہ خالی جگہیں جو ہمارے جسم کی تشکیل کرتی ہیں کو ختم کر دیا جائے اور ان ایٹموں کے نیوکلئس اور الیکٹرانوں کو کمیت میں بدل دیا جائے تو جوان مَردوں کے جسم کا سارا مادّہ اتنا چھوٹا رہ جائے گا کہ اسے آنکھ سے نہیں دیکھا جا سکے گا''۔ لہٰذا انسانی جسم الیکٹرانوں اور پروٹانوں کی تھرتھراہٹ (vibrations) کے سوا کچھ نہیں ہے۔ جب ہم فوت ہو جاتے ہیں تو ایٹم بکھر جاتے ہیں۔ جیسا کہ ہم دیکھ آئے ہیں یہ ایٹم الیکٹرانوں اور پروٹانوں پر مشتمل ہوتے ہیں جو کہ الیکٹرانی ارتعاش کی کمیت ہوتی ہے۔

اگر کوئی شخص ایک ڈنڈے کے ایک سرے کو کپڑے سے ڈھانپ دے اور پھر اس سرے کو پٹرول میں ڈبونے کے بعد آگ لگا دے اور دوسرے سرے کو ہاتھ میں پکڑ کر ڈنڈے کو گول گول گھمائے تو ہم جو کچھ دیکھیں گے وہ روشنی کا ایک دائرہ ہوگا لیکن کیا یہ درحقیقت ایک دائرہ ہے؟ اس کا جواب نفی میں ہے کیونکہ یہ اس رفتار کی وجہ سے ایک دائرہ نظر آتا ہے جس سے اس ڈنڈے کو گھمایا جاتا ہے۔ الیکٹرانی ارتعاش بھی جو ہمیں ایٹم میں ملتا ہے کائنات میں دراصل روشنی کی صفات کا ایسے ہی عکس ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ط اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ط اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ط نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ط يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ط وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ط وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ O (سورۃ النور: ۳۵)

ترجمہ: ’’اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا اس کے نور کی مثال ایسی جیسے ایک طاق کہ اس میں چراغ ہے وہ چراغ ایک فانوس میں ہے وہ فانوس گویا ایک ستارہ ہے موتی سا چمکتا روشن ہوتا ہے برکت والے پیڑ زیتون سے جو نہ پورب کا نہ پچھّم کا قریب ہے کہ اس کا تیل بھڑک اٹھے اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے نور پر نور ہے اللہ اپنے نور کی راہ بتاتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ مثالیں بیان فرماتا ہے لوگوں کے لیے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے‘‘۔

اس سے معلوم ہوا کہ مادّی جسم اللہ کے نور کا عکس ہے۔ روح اللہ کے اَمر کا عکس ہے جسے انسانی جسم میں اس کے نور کے عکس میں رکھا گیا ہے۔ موت جسم اور روح کی جدائی کا نام ہے۔ یہ جدا ہونے والی روح اللہ کے پاس ہوتی ہے اور وہ یقیناً اسے لوٹا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ’’جب ساری کائنات ختم ہو جائے گی اللہ تعالیٰ اسے دوبارہ پیدا فرمائے گا۔ جو جو شے یہاں پہلے تھی دوبارہ ایک ہی وقت پر موجود ہوگی‘‘۔

اگر ہم قرآن مجید میں وحی الٰہی کی سچائی سے مطمئن ہیں تو ہمیں قیامت پر لازماً ایمان لانا چاہیے۔ ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ یہ ممکن ہے اسی لیے ہم نے نتیجہ نکالا کہ قیامت ضرور ہوگی۔

کچھ لوگ ہیں جو یہ سوال کرتے ہیں کہ ہم سب کو اللہ تعالیٰ دوبارہ کیوں پیدا فرمائے گا؟ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ جواب دیتے ہوئے فرماتا ہے:

أَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ۔۔ (سورۃ النسآء: ۸۲)

ترجمہ: ’’تو کیا غور نہیں کرتے قرآن میں‘‘۔

ہم نے دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس انداز سے پیدا فرمایا ہے کہ ہم اسے جان سکیں۔ تخلیق کا مقصد اللہ کو جاننا ہے۔ اب ہمیں اپنے آپ سے سوال کرنا پڑے گا کہ کیا ہم نے یہ مقصد پورا کیا ہے یا نہیں؟ ہم سب کو اختیار دیا گیا ہے اور ہم سب پر اللہ کو جاننا لازم قرار دیا گیا ہے۔ اپنے بچپن ہی سے ہمارے اندر اللہ کو جاننے کا میلان ہوتا ہے۔ اس لیے جو سوال کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ کیا ہم نے اللہ کو جاننے کا اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ اگر ہم یہ فرض ادا کر چکے ہیں تو پھر اگلی دنیا میں ہمارے لیے ایک دروازہ کھول دیا جائے گا اور اگر ہم

نے اپنا فرض ادا نہیں کیا ہے تو بھی اگلی دنیا میں ہمارے لیے ایک دروازہ کھول دیا جائے گا۔

ہم جانتے ہیں کہ اگر ہم نے قوانینِ قدرت کی خلاف ورزی کی تو ہمیں مصیبتیں لاحق ہو سکتی ہیں۔ بالکل اسی طرح اگر ہم نے قوانینِ الٰہیہ کی خلاف ورزی کی تو ہم پر تباہی ضرور آئے گی۔ قانونی فلاسفر یہ سمجھنے لگ گئے ہیں کہ سزا کا مقصد مجرم کی اصلاح ہے۔ اسی طرح قوانینِ الٰہیہ کی خلاف ورزی کی صورت میں ہمیں جو سزا ملے گی وہ ہماری اصلاح کے لیے ہو سکتی ہے۔ کچھ مسلمان یہ سوال کر سکتے ہیں ایسا کیوں ہے کہ وہ اشخاص جو گناہ کرتے ہیں انہیں اس دنیا میں کامیاب ہونے دیا جاتا ہے؟ مثلاً غیر مسلم لوگ اس دنیا میں کیوں اتنے خوش حال اور کامیاب ہیں؟ اَدویہ کے متعلق قدیم یونانی نظریہ میں ہم پڑھتے ہیں کہ ایسا شخص جس کا پسینہ بہہ رہا ہو اگر ٹھنڈی ہوا میں نکلا تو اسے ضرور سردی لگ جائے گی۔ کچھ لوگوں پر سردی، نزلے اور وبائی زکام کا حملہ ہو سکتا ہے۔ وہ کچھ وقت کے لیے تو ان امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں لیکن صحت یاب بھی ہو جاتے ہیں۔ کچھ لوگوں کو گلے میں سوزش ہو جاتی ہے لیکن ان کے ناک کا زہریلا پانی ان کے پھیپھڑوں میں جائے گا تو انجام کار تپ دِق کا سبب بنے گا۔ اسی طرح اگر دو آدمی جو قوانینِ الٰہیہ کو توڑتے ہیں تو ممکن ہے کہ صرف ایک کو اس دنیا میں سزا ہو اور دوسرے کے لیے سزا اگلی دنیا میں اس سے زیادہ سخت ہو گی۔ اگر ہم میں سے کوئی دو لڑکوں کو کوئی شرارت کرتے دیکھتا ہے ان میں سے ایک تو اس کا بیٹا ہے دوسرا اس کا اپنا بیٹا نہیں تو وہ اپنے بیٹے کو بلائے گا اور اس کی اصلاح کے لیے اسے سزا دے گا لیکن وہ دوسرے کو جانے دے گا کیونکہ اس کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

مسلمان کیوں کہتے ہیں کہ ہم اللہ کی پسندیدہ قوم ہیں؟ مسلمان اپنے لیے جنت کی توقع کیوں کرتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کیونکہ ہمارا تعلق اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ہے اس لیے کہ ہم ان کے پیروکار ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تعلق اللہ سے ہے کیونکہ آپ اس کے رسول ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم مسلمانوں کو اپنی غلطیوں کی سزا اکثر اس دنیا میں ملتی ہے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ

الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ O (سورۃ القصص:۶۱)

ترجمہ: ''تو کیا وہ جسے ہم نے اچھا وعدہ دیا تو وہ اس سے ملے گا اس جیسا ہے جسے ہم نے دنیوی زندگی کا برتاؤ برتنے دیا پھر وہ قیامت کے دن گرفتار کر کے حاضر لایا جائے گا''۔

ایک طرف اللہ یہ فرماتا ہے کہ ہم نے کافروں کو ڈھیل دی ہوئی ہے اور یہ کہ ہم نے کافروں کی نگاہ میں دنیا کی زندگی آراستہ کردی ہے۔(دیکھئے: سورۃ البقرۃ: ۲۱۲ اور آل عمران: ۱۷۸) اور دوسری جانب فرماتا ہے: وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ O الَّذِيْنَ إِذَآ أَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْآ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔ (سورۃ البقرۃ:۱۵۶)

ترجمہ: ''اور ضرور ہم تمہیں آزمائیں گے کچھ ڈر اور بھوک سے اور کچھ مالوں اور جانوں اور پھلوں کی کمی سے اور خوش خبری سُنا ان صبر والوں کو کہ جب ان پر کوئی مصیبت پڑے تو کہیں ہم اللہ کے مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھرنا''۔

یہ وہ مقام ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نواسے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے خود کو میدانِ کربلا میں پایا۔ آپ کو ہزاروں مشکلات نے گھیر لیا، آپ گھر سے دور تھے، لاتعداد ظالم وحشیوں نے آپ کو اپنے نرغے میں لے لیا، آپ اپنے رشتہ داروں اور ساتھیوں سمیت تین دن رات تک کچھ کھائے پیے بغیر رہے لیکن آپ کے پائے استقامت متزلزل نہ ہوئے۔ ایک طرف آپ کو یزید کا سامنا تھا جس نے آپ کو اپنے آگے سرنگوں ہو جانے کا حکم دیا تھا۔ وہ یزید جسے اللہ کا کوئی خوف نہ تھا اور جس نے کئی گناہوں کا ارتکاب کیا تھا۔ دوسری طرف یادِ الٰہی تھی۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے بخوشی اپنے بھائیوں، بھتیجوں، چچا / ماموں زاد بھائیوں، نوجوانوں حتیٰ کہ ایک بچہ جس کی عمر چھ ماہ تھی کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں، دوستوں اور ساتھیوں کی زندگیاں اللہ کی خاطر قربان کر دیں۔ یہ اسلامی تعلیمات کا زندہ معجزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: قُلْ إِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَأَبْنَآؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَأَمْوَالُنِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ۔ (سورۃ التوبۃ: ۲۴)

ترجمہ: ''تم فرماؤ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ سودا جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہارے پسند کے مکان یہ چیزیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں تو راستہ دیکھو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے اور اللہ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا''۔

اگر ان لوگوں کی مصیبتیں جو حکمِ الٰہی کو توڑتے ہیں اس دنیا میں ان کی اصلاح کے لیے کافی ہیں تو وہ آزاد ہو جائیں گے۔ اگر وہ سزائیں کافی نہ تھیں تو یہ انہیں ضرور ملیں گی اس دنیا میں نہ سہی مرنے کے بعد تو ہر صورت میں پوری ہوں گی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب ایک آدمی مرتا ہے اور دفن کر دیا جاتا ہے تو دو فرشتے اس کے پاس آتے اور پوچھتے ہیں: تیرا رب کون ہے؟ اگر وہ سچا مسلمان ہے تو وہ جواب دے گا: اللہ میرا رب ہے۔ وہ پھر سوال کریں گے: تیرا دین کیا ہے؟ اگر وہ سچا مسلمان ہے تو وہ جواب دے گا: میرا دین اسلام ہے۔ پھر فرشتے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شبیہ اس کے سامنے کر کے سوال کریں گے: کیا تم ان کو پہچانتے ہو؟ اگر وہ سچا مسلمان ہے تو جواب دے گا: یہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ (دیکھئے مثلاً: مسند احمد، کتاب: اوّل مسند الکوفیین؛ باب: حدیث البراء بن عازب؛ سنن ابی داؤد، کتاب: السنۃ، باب: **فی المسألة فی القبر وعذاب القبر**)

ہم یہ بھی پڑھتے ہیں کہ وہ لوگ جو ان سوالوں کے جواب نہیں دے سکیں گے انہیں جنت کا ایک منظر دکھایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اگر وہ ان سوالوں کے جواب دیتے تو انہیں جنت میں جانے کی اجازت ہوتی لیکن چونکہ انہوں نے جواب نہیں دیئے اس لیے جہنم میں ان کی صفائی ہوگی۔ وہ شخص جو ایماندار تو تھا لیکن کچھ گناہ بھی کیے اسے جہنم میں عذاب جھیلنا پڑے گا۔ اس کی روح کو عذاب ہوگا ساتھ ہی اس کا جسم بھی اس عذاب کو محسوس کرے گا۔ یہ بالکل ایسے ہے جیسے ہمارا جسم خواب میں اسے محسوس کر لیتا ہے جو کچھ روح پر واقع ہوتا ہے۔

بعض اوقات اس دُنیا میں بھی ہمیں اس احساس کا تجربہ ہوتا ہے چاہے ہم احساس کے سبب سے دور کیوں نہ ہوں۔ ایک بار میں ہندوستان کے ایک قصبہ میں خطبہ پڑھ رہا تھا۔ جب میں دوسرے خطبہ کے اختتام کے قریب پہنچا میں نے اپنے دل میں ایک جھٹکا محسوس کیا۔ میں اپنے آپ کو سنبھال نہ سکا، جلدی سے خطبہ ختم کیا اور ایک دوسرے آدمی کو نماز کی امامت کرنے کا کہا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ اسی لمحے جب مجھے جھٹکا لگا تھا میری بیٹی اپنے گھر میں فوت ہوئی تھی۔ جہاں میں تھا اس جگہ سے اس کا گھر ایک ہزار میل کے فاصلے پر تھا۔ میں نے وہ جھٹکا اس لیے محسوس کیا کہ اس کے جسم کو میرے ساتھ ایک تعلق تھا اور وہ میرے جسم میں ایک طویل عرصے تک رہی تھی۔ بالکل اسی طرح وہ سزا جو روحانی دُنیا میں ہوتی ہے اسے جسم بھی محسوس کرتا ہے۔ یہ سزا اس شخص کے تزکیہ کے لیے ہوتی ہے۔ جب اس کا تزکیہ ہو جائے گا تو وہ جنت میں جانے کے لیے تیار ہو جائے گا۔

جب ساری دُنیا فنا ہو جائے گی تو بعث بعد الموت ہوگی، نہ صرف سارے لوگ دوبارہ زندہ کیے جائیں گے بلکہ فرشتے، جن، حیوانات، پرندے اور وہ تمام اشیا جو پہلے اس کائنات میں رہی تھیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْا أَشُدَّكُمْ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيْجٍ O ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَأَنَّهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ (سورۃ الحج: ۵۔۷)

ترجمہ: ’’اے لوگو اگر تمہیں قیامت کے دن جینے میں کچھ شک ہو تو یہ غور کرو کہ ہم نے تمہیں پیدا کیا مٹی سے پھر پانی کی بوند سے پھر خون کی پھٹک سے پھر گوشت کی بوٹی سے نقشہ بنی اور بے بنی تا کہ ہم تمہارے لیے اپنی نشانیاں ظاہر فرمائیں اور ہم ٹھہرائے رکھتے ہیں

ماؤں کے پیٹ میں جسے چاہیں ایک مقرر میعاد تک پھر تمہیں نکالتے ہیں بچہ پھر اس لیے کہ تم اپنی جوانی کو پہنچو اور تم میں کوئی پہلے ہی مرجاتا ہے اور کوئی سب میں نکمی عمر تک ڈالا جاتا ہے کہ جاننے کے بعد کچھ جانے، اور تو زمین کو دیکھے مرجھائی ہوئی پھر جب ہم نے اس پر پانی اُتارا تر و تازہ ہوئی اور ابھر آئی اور ہر رونق دار جوڑا اُگا لائی یہ اس لیے ہے کہ اللہ ہی حق ہے اور یہ کہ وہ مردے جِلائے گا اور یہ کہ وہ سب کچھ کرسکتا ہے''۔

ہم پڑھتے ہیں کہ سب سے پہلے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے روضۂ مبارک سے باہر تشریف لائیں گے۔ آپ کے بعد دوسرے انبیا اور متقین اپنی اپنی قبروں سے باہر آئیں گے اور پھر تمام دوسرے لوگ اور ساری مخلوق باہر آئے گی اور ایک جگہ جمع ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے حساب کا دروازہ کھولنے کا حکم فرمائے گا۔ اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

ا) وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ أُخْرٰى فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ O وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِائَۤ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ O وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ۔
(سورۃ الزمر: ۶۸۔۷۰)

ترجمہ: ''اور صور پھونکا جائے گا تو بے ہوش ہو جائیں گے جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمین میں مگر جسے اللہ چاہے، پھر وہ دوبارہ پھونکا جائے گا جبھی وہ دیکھتے ہوئے کھڑے ہو جائیں گے اور زمین جگمگا اُٹھے گی اپنے رب کے نور سے اور رکھی جائے گی کتاب اور لائے جائیں گے انبیا اور یہ نبی اور اس کی امت کہ ان پر گواہ ہوں گے اور لوگوں میں سچا فیصلہ فرما دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ ہوگا اور ہر جان کو اس کا کیا بھرپور دیا جائے گا اور اسے خوب معلوم ہے جو وہ کرتے تھے''۔

ب) وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَإِذَا هُمْ مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ O قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ O

إِنْ كَانَتْ إِلاَّ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَO (سورۃ یٰسٓ: ۵۱۔۵۳)

ترجمہ: ''اور پھونکا جائے گا صور جبھی وہ قبروں سے اپنے رب کی طرف دوڑتے چلے گے کہیں گے ہائے ہماری خرابی کس نے ہمیں سوتے سے جگا دیا یہ ہے وہ جس کا رحمن نے وعدہ دیا تھا اور رسولوں نے حق فرمایا وہ تو نہ ہو گی مگر ایک چنگھاڑ جبھی وہ سب کے سب ہمارے حضور حاضر ہو جائیں گے''۔

ج) يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَأْتُوْنَ أَفْوَاجًاO وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا۔ (سورۃ النبا: ۱۸۔۱۹)

ترجمہ: ''جس دن صور پھونکا جائے گا تو تم چلے آ ؤ گے فوجوں کی فوجیں، اور آسمان کھولا جائے گا کہ دروازے ہو جائے گا''۔

د) زمین سرخی مائل سفید ہو جائے گی، کھیتوں میں کوئی درخت اور پودے نہیں ہو گے اور نہ پہاڑ اور دریا۔ سورج سر کے اوپر تھوڑے سے فاصلے پر چمکے گا۔

پھر یومِ حساب آئے گا جب اللہ تعالیٰ ہم سب کا حساب لے گا۔ اللہ کو یہ بھی معلوم ہو گا کہ کیا سزا کے ذریعے ہمارا تزکیہ ہو چکا ہے یا نہیں۔

یومِ حساب فرشتے بہت بڑے اور خوفناک جسموں کے ساتھ آسمان سے اُتریں گے۔ وہ مجرموں کی پیشانیوں سے پکڑیں گے اور انہیں رب کے سامنے حساب والی جگہ لے جائیں گے۔ سوالوں سے پہلے عرش سے نور کی کرنیں چمکیں گی۔ جیسے کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا ۔ (سورۃ الزمر: ۶۹)

ترجمہ: ''زمین جگمگا اُٹھے گی اپنے رب کے نور سے''۔

اس وقت ہر شخص جان لے گا کہ قادرِ مطلق لوگوں کے اعمال کا حساب شروع کرنے والا ہے۔ فرشتے قطاروں میں کھڑے ہو جائیں گے (دیکھئے: سورۃ النبا: ۳۸) تب اللہ رسولوں کو جمع فرمائے گا اور ان سے پوچھے گا:

مَاذَآ أُجِبْتُمْ قَالُوْا لَاعِلْمَ لَنَا إِنَّكَ أَنْتَ عَلاَّمُ الْغُيُوْبِ۔ (سورۃ

المائدۃ:۱۰۹)

ترجمہ: ''تمہیں تمہاری تبلیغ کا کیا جواب ملا؟'' عرض کریں گے ہمیں کچھ علم نہیں، بیشک تو ہی ہے سب غیبوں کا جاننے والا''۔

حضرت نوح علیہ السلام کو بلایا جائے گا اور ان سے سوال ہوگا: ''کیا تم نے میرا پیغام پہنچادیا تھا؟'' وہ جواب دیں گے: ''ہاں''۔ اللہ تعالیٰ آپ کی امت سے پوچھے گا: ''کیا نوح نے تمہیں میرا پیغام پہنچادیا تھا''۔ وہ کہیں گے: ''ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا آیا ہی نہیں تھا''۔

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا جائے گا: ''اے مریم کے بیٹے عیسیٰ کیا تو نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو خدا بنالو اللہ کے سوا''۔ وہ عرض کریں گے:

قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِO مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِيْ بِهٖۤ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌO اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ (سورۃ المائدۃ:۱۱۶)

ترجمہ: ''پاکی ہے تجھے، مجھے روا نہیں کہ وہ بات کہوں جو مجھے نہیں پہنچتی، اگر میں نے ایسا کہا ہو تو ضرور معلوم ہوگا تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے بے شک تو ہی ہے سب غیبوں کا خوب جاننے والا، میں نے تو ان سے نہ کہا مگر وہی جو تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ کو پوجو جو میرا بھی رب اور تمہارا بھی رب، اور میں ان پر مطلع تھا جب تک میں ان میں رہا پھر جب تو نے مجھے اٹھالیا تو ہی ان پر نگاہ رکھتا تھا اور ہر چیز تیرے سامنے حاضر ہے اگر تو انہیں عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بیشک تو ہی ہے غالب حکمت والا''۔

اس طرح ہر نبی کو مرتبے کے لحاظ سے الگ الگ بلایا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ جبریل

علیہ السلام کو فرمائے گا: ''اے جبریل آگ میرے پاس لے آؤ''۔ جبریل فوراً تعمیل ارشادِ الٰہی کریں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے آگ بتا تیرا خالق کون ہے؟ اس وقت تقریباً ہر شخص خوف سے ساکت وجامد ہو جائے گا اور اپنے رب کے آگے جُھک جائے گا۔ اس کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: وَتَرٰى كُلَّ أُمَّةٍ جَاثِيَةً كُلُّ أُمَّةٍ تُدْعٰى إِلٰى كِتٰبِهَا اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ (سورة الجاثية: ۲۸)

ترجمہ: ''اور تم ہر گروہ کو دیکھو گے زانو کے بل گرے ہوئے، ہر گروہ اپنے نامہ اعمال کی طرف بلایا جائے گا آج تمہیں تمہارے کیے کا بدلا دیا جائے گا''۔

باغی اور ظالم بلند آواز میں چیخیں اور دھاڑیں ماریں گے اور نیکوکاروں میں ہر ایک اللہ اللہ کر رہا ہوگا۔ جب وہ اسی حالت میں رہیں گے تو آگ دوسری بار اپنی تپش پھیلائے گی اور لوگ خوف اور دہشت سے معمور ہو جائیں گے۔ تیسری بار لوگ اپنے منہ کے بل گر پڑیں گے اور: وَلَا يَسْئَلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا O يُّبَصَّرُوْنَهُمْ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيْهِ O وَصَاحِبَتِهٖ وَأَخِيْهِ O وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُؤْيْهِ O وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ۔ (سورة المعارج: ۱۰۔۱۴)

ترجمہ: ''اور کوئی دوست کسی دوست کی بات نہ پوچھے گا، ہوں گے انہیں دیکھتے ہوئے، مجرم آرزو کرے گا کاش اس دن کے عذاب سے چھٹنے کے بدلے میں دیدے اپنے بیٹے اور اپنی جورو اور اپنا بھائی اور اپنا کنبہ جس میں اس کی جگہ ہے اور جتنے زمین میں ہیں سب پھر یہ بدلہ دینا اسے بچالے''۔

پھر لوگ رب کے سامنے حساب کے لیے ایک ایک کر کے پیش کیے جائیں گے۔ ان سب سے ان کے اچھے اور بُرے اعمال کے بارے میں دنیا کی ابتدا سے انتہا تک کی ساری مخلوق کے سامنے سوال ہوں گے جو اپنے جسموں اور اعضاو جوارح کے ساتھ وہاں موجود ہوں گے۔ [اسی مرحلے پر قرآن مجید فرماتا ہے]: وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَآءُ اللّٰهِ إِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ O حَتّٰى إِذَا مَا جَآؤُهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ O وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا قَالُوْآ

أَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَّإِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ O وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ أَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ أَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ O وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ أَرْدٰكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ (سورۃ حٰمٓ السجدۃ: ۲۰۔ ۲۳)

ترجمہ: ”یہاں تک کہ جب وہاں پہنچیں گے ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کے چمڑے سب ان پر ان کے کیے کی گواہی دیں گے اور وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے تم نے ہم پر کیوں گواہی دی وہ کہیں گی ہمیں اللہ نے بلوایا جس نے ہر چیز کو گویائی بخشی اور اس نے تمہیں پہلی بار بنایا اور اسی کی طرف تمہیں پھرنا ہے اور تم اس سے کہاں چھپ کر جاتے کہ تم پر گواہی دیں تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں لیکن تم تو یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ اللہ تمہارے بہت سے کام نہیں جانتا اور یہ تمہارا وہ گمان جو تم نے اپنے رب کے ساتھ کیا اور اس نے تمہیں ہلاک کر دیا تو اب رہ گئے ہارے ہوؤں میں“۔

پھر اعمال نامے ان کے ہاتھوں میں تھما دیئے جائیں گے۔ اس میں چھوٹی بڑی ہر چیز کا ریکارڈ ہوگا: وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً إِلَّآ أَحْصٰهَا وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا۔ (سورۃ الکھف: ۴۹)

ترجمہ: ”اور نامۂ اعمال رکھا جائے گا تو تم مجرموں کو دیکھو گے کہ اس کے لکھے سے ڈرتے ہوں گے اور کہیں گے ہائے خرابی ہماری اس نوشتہ کو کیا ہوا نہ اس نے کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا نہ بڑا جسے گھیر نہ لیا ہو اور اپنا سب کیا انہوں نے سامنے پایا اور تمہارا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا“۔

اللہ فرماتا ہے: وَكُلَّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنٰهُ طٰئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا O إِقْرَأْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا۔ (سورۃ الاسراء: ۱۳۔ ۱۴)

ترجمہ: ''اور ہر انسان کی قسمت ہم نے اس کے گلے سے لگا دی اور اس کے لیے قیامت کے دن ایک نوشتہ نکالیں گے جسے کھلا ہوا پائے گا فرمایا جائے گا کہ اپنا نامہ پڑھ آج تو خود ہی اپنا حساب کرنے کو بہت ہے''۔

''اعمال نامہ'' کی اصطلاح کا لفظی معنی نہیں لینا چاہیے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ موسیقی کو الفاظ میں ریکارڈ کیا جاسکتا ہے، اور الفاظ اور موسیقی کو گراموفون ریکارڈر میں؛ اس لیے یہ یقینی اور ممکن بات ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہمارے اعمال کا مکمل ریکارڈ لائے گا۔

حساب کھلا اور شفاف ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ ۝ (سورۃ الأنبیاء: ۴۷)

ترجمہ: ''اور ہم عدل کی ترازوئیں رکھیں گے قیامت کے دن تو کسی جان پر کچھ ظلم نہ ہوگا اور اگر کوئی چیز رائی کے دانہ کے برابر ہو تو ہم اسے لے آئیں گے اور ہم کافی ہیں حساب کو''۔

ان کے تمام اچھے اعمال کا ان کے بُرے اعمال کے مقابلے میں وزن کیا جائیگا۔ تمام بُرے اعمال میں سے 'کفر' سب سے بُرا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ۝ يُرِيْدُوْنَ أَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخَارِجِيْنَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ۔ (سورۃ المآئدۃ: ۳۶۔۳۷)

ترجمہ: ''بے شک وہ جو کافر ہوئے جو کچھ زمین میں ہے سب اور اس کی برابر اور اگر ان کی مِلک ہو کہ اسے دے کر قیامت کے عذاب سے اپنی جان چھڑائیں تو ان سے نہ لیا جائیگا اور ان کے لیے دکھ کا عذاب ہے دوزخ سے نکلنا چاہیں گے اور وہ اس سے نہ نکلیں گے اور ان کو دوامی سزا ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا فرمایا اور زمین پر اپنے خلیفہ کی حیثیت سے بھیجا اس لیے وہی حساب لینے اور یہ دیکھنے کا مستحق ہے کہ ہم نے اس کے احکامات کی پیروی کس حد تک کی۔ اگر

دنیا میں ہم نے اللہ کو جاننے کی کوشش کی ہوگی تو آخرت میں ہمارے لیے جنت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔ وہاں اللہ کے انعامات اور نعمتیں ہوں گی۔ وہ اس کی صفات کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے اور اللہ کے بارے میں ان کا علم ترقی کے مزید مدارج طے کرے گا اور وہ اس کے حسن و جمال کے مزے لوٹیں گے جبکہ جو اللہ کو بُھلا چکے ہیں جہنم میں ان کی دُھلائی ہوگی جب ان کی صفائی ہو جائے گی تو انہیں بھی جنت میں لے آیا جائے گا۔ لیکن جو کافر ہیں ان کے عذاب کی کوئی انتہا نہیں ہوگی اپنے علم کی حد تک جتنا ہم تصور کر سکتے ہیں کیونکہ جہنم میں ان کی سزا دائمی ہوگی: أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللهَ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ (سورۃ المآئدۃ: ۴۰)

ترجمہ: ''کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی سزا دیتا جسے چاہے اور بخشتا ہے جسے چاہے اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے''۔

r r r r

سُنّی پبلی کیشنز دہلی کی علمی، تحقیقی اور مفید کتابیں

انجینئر فضل اللہ چشتی صاحب کی اردو و انگریزی مطبوعات

☆ Fabrications	Rs.200/-	Rs.140/-	☆ تحریفات
☆ Amulets & Ruqya in	Rs.120/-	Rs.70/-	☆ تعویذ جائز یا ناجائز
☆ Imam Aazam & Knowledge of Hadith	Rs. 20/-	Rs.20/-	☆ امام اعظم ابوحنیفہ اور علمِ حدیث
☆ Salaah of Women	Rs. 60/-	Rs.50/-	☆ خواتین کی نماز
☆ Distance of Feet in Salah	Rs. 24/-	Rs.22/-	☆ پاؤں پھیلا کر نماز پڑھنا کیسا؟
☆ Hayat Al-Anbiya	Rs. 40/-		
☆ Four Importance Issue	Rs. 50/-		

ENGLISH BOOKS

☆ The Preamble to Faith (Tamheed-e-Iman)	Ala Hazrat Imam Ahmed Raza	Rs.140/-
☆ Management Science in Islam	Ala Hazrat Imam Ahmed Raza	Rs. 20/-
☆ Divine Decree and Predestination	Ala Hazrat Imam Ahmed Raza	Rs. 20/-
☆ Islam the Religion Ultimate	Sayyid Aley Rasool Nazmi	Rs.100/-
☆ Kitabus Salaat	Sayyid Aley Rasool Nazmi	Rs. 30/-
☆ How to Preach Islam	Allama Abdul Aleem Siddiqui	Rs. 80/-
☆ Imam Ahmed Raza: Services & Influences	Abu Zohra Rizvi	Rs. 40/-

اردو کتابیں

☆ خطباتِ سید العلماء	سید آلِ مصطفیٰ قادری مارہروی	Rs.180/-
☆ بعد از خدا (نعتیہ دیوان)	سید آلِ رسول نظمی مارہروی	Rs.260/-
☆ مصطفیٰ سے آلِ مصطفیٰ تک	سید آلِ رسول نظمی مارہروی	Rs.32/-
☆ فتاویٰ شاہ مولانا رفیع الدین محدث دہلوی	شاہ رفیع الدین دہلوی	Rs.32/-
☆ قرآن کوئز	محمد فہیم قادری مصطفائی	Rs.20/-
☆ اُصولِ حدیث کوئز	محمد فہیم قادری مصطفائی	Rs.20/-
☆ صَرف کوئز	محمد فہیم قادری مصطفائی	Rs.24/-
☆ علم وفن کوئز	محمد فہیم قادری مصطفائی	Rs.30/-
☆ اردو صحافت آزادی کے بعد	ڈاکٹر افضل مصباحی	Rs.400/-
☆ تبلیغ اسلام کے اُصول وفلسفہ	علامہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی	Rs.70/-
☆ کنز الایمان کا لسانی جائزہ	ڈاکٹر صابر سنبھلی	Rs.80/-
☆ اسلام اور جدید معیشت	مولانا اسلم رضا قادری	Rs.40/-

Ad-Darus Sunniyah
523/7, Waheed Kutub Market, Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-11006
zubairqadri@in.com / Mobile: 09867934085